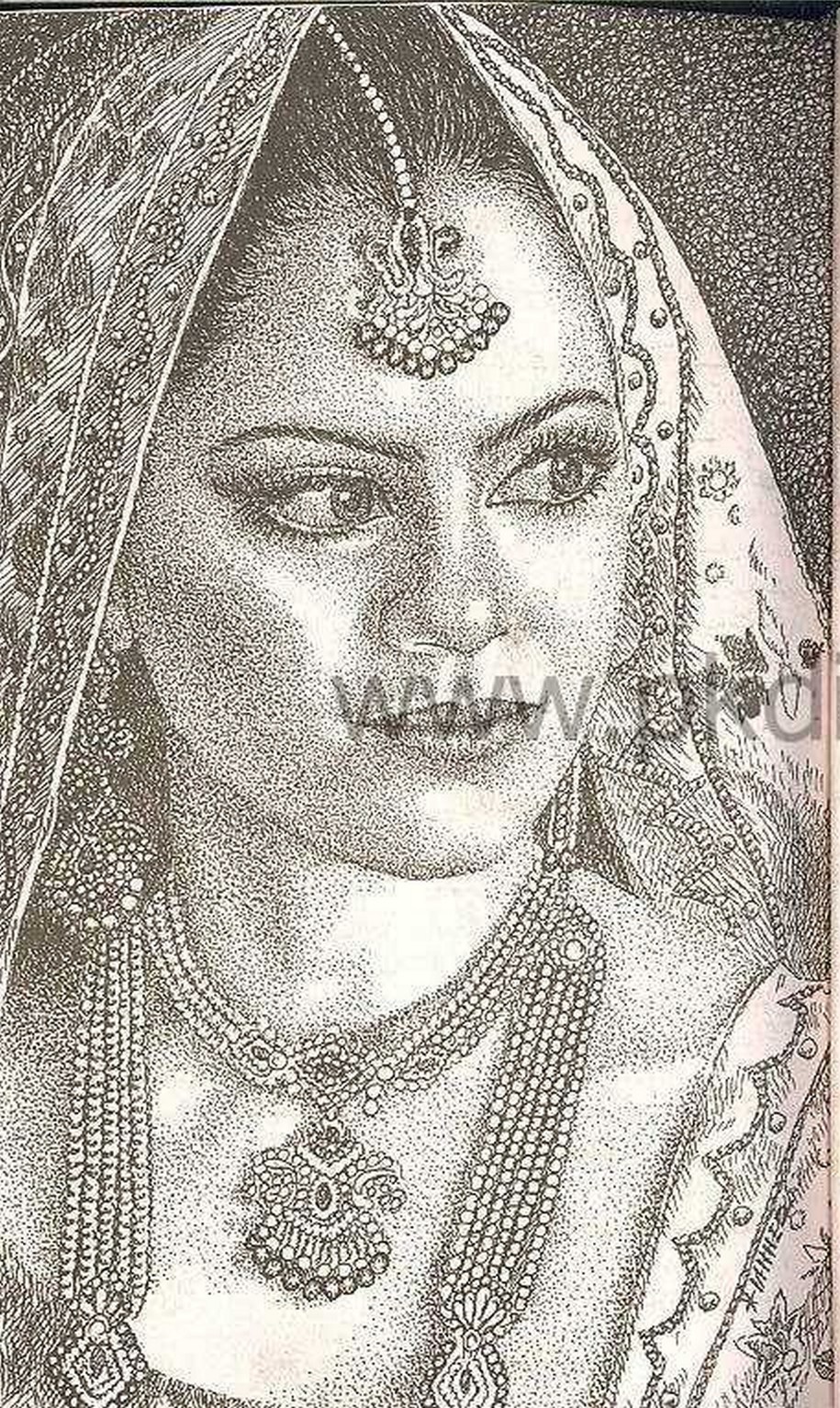

شہناز صدیق

لاگی تم سے دل کی لگن

ناولٹ

لوئے لوئے بھرلا کڑیے جو تدھ بھانڈھا بھرنا
شام پئی بن شام محمد تے گھر جاندی نے ڈرنا

اس کی آنکھ حسب معمول فقیر بابا کی پکار پر کھلی تھی۔ پاؤں میں جوتی اڑستے ہوئے اس نے سر پہ دوپٹہ ڈالا اور پھر پلیٹ میں خشک آٹا لے کر گیٹ پر جا پہنچی۔

"تمہاری کی آواز بہت خوب صورت ہے بابا! میرا دل کرتا ہے کہ میں سنتی جاؤں۔" فقیر بابا کے تھیلے میں آٹا ڈالتے ہوئے آج اس نے اپنے دل کی آواز کو زبان دے ہی دی۔ وہ مسکرایا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے آگے بڑھ گیا۔ گلی کے چاروں اطراف اس کی پُر تاثر آواز ایک بار پھر سے گونجنے لگی۔

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا تے لاوے یا نہ لاوے

وہ گیٹ سے ٹیک لگائے اسے تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ گلی کا موڑ نہ مڑ گیا پھر آہستہ سے گیٹ بند کرتے اندر آ گئی۔ نماز ادا کی قرآن کی تلاوت کی اور پھر چڑیوں کا دانہ لے کر چھت پر آ گئی۔ منڈیر پر پڑے برتن میں دانہ ڈالا ساتھ پڑی خالی کٹوری کو پانی سے بھرا اور پھر مطمئن ہوتی نیچے آ گئی۔ سورج نے چاروں اطراف اپنی شعاعیں بکھیرنا شروع کر دی تھیں وہ کالج جانے کی تیاری کرنے لگی۔

"السلام علیکم ابو جی!" برآمدے میں بچھے تخت پر ابو کو بیٹھے دیکھ کر اس نے سلام کیا۔ وہ جو کسی گہری سوچ میں گم تھے چونک گئے اور پھر کتنی دیر کالی چادر کے ہالے میں سجے اس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔

"آپ نے ناشتا کر لیا؟" ان کے سامنے موجود خالی برتنوں کو دیکھتے ہوئے وہ پھر بولی۔

"ہوں!" انہوں نے بے خیالی میں ہنکارا بھرا۔ وہ برتن اٹھاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں امی اس کا ناشتا بنا رہی تھیں۔

"السلام علیکم امی۔ کیا میرا ناشتا تیار ہے؟"

www.pkdigest.com

"ہاں بیٹھو تم میں دیتی ہوں۔" وہ وہاں پڑی اکلوتی کرسی پر ٹک گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے والدین ان دنوں جس مشکل دور سے گزر رہے تھے۔ ابھی کچھ مہینوں کی ہی تو بات تھی کہ ان کے گھر میں کتنا سکون تھا۔ نہ جانے کس کی نظر لگ گئی تھی ان کے خوش حال گھرانے کو' وہ ہنستے بستے لوگ گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔ ٹپ ٹپ۔۔۔ اس کی گود میں پڑے ہاتھوں پر گرتے آنسو اپنے دکھ کی داستان سنانے لگے۔

"اب رونے سے کیا فائدہ! پہلے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا تھا۔" اس کے سامنے ناشتار کھتے ہوئے امی برہمی سے گویا ہوئیں۔

"مجھ سے آپ دونوں کی بے عزتی نہیں دیکھی جاتی امی! محلے والے جس انداز میں ابو کی شرافت پر انگلی اٹھا رہے ہیں میں وہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے آنسو بھری آنکھیں اٹھائیں۔

"ابھی بھی تمہارے پاس وقت ہے مائدہ! اپنے ابو کے علم میں آنے سے پہلے پہلے اپنا فیصلہ بدل لو۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا' میرا اور اپنے ابو کا ہی احساس کرلو۔" موہوم سی امید کے تحت انہوں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"آپ کا اور ابو کا ہی تو خیال ہے امی! ورنہ میں اس طرح کبھی نہ سوچتی۔" اس کے حلق میں نمکین گولا سا پھنس گیا۔ "بہت مشکل سے میں یہ فیصلہ کر پائی ہوں' میں نے حالات سے سمجھوتا کرلیا ہے۔ آپ بھی اس فیصلے کو دل سے نہ سہی' مگر حالات کی مجبوری سمجھ کر قبول کرلیجیے۔ آپ دونوں کے سوا میرا کوئی نہیں اور آپ دونوں کے لیے میں اپنی جان تک دے سکتی ہوں' یہ تو کچھ بھی نہیں۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"تو تم اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی۔"

"میں مجبور ہوں امی!"

"ہم مل کر مقابلہ کریں گے۔"

"ہم کمزور ہیں امی!"

"ہم یہ گھر ہی چھوڑ دیں گے۔"

"ہم پہلے بھی تو اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آئے ہیں نا اور کتنے گھر بدلیں گے؟"

اس کی بات میں وزن تھا' مگر انہوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری' کیسے اپنی نازوں پلی کو خاردار راہوں پر چلنے کی اجازت دے دیتیں۔

"تم' تم ہمت کرو مائدہ! کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکل آئے گی۔"

"پلیز امی! مجھے مزید کمزور مت کریں۔" ٹوٹے لہجے میں جیسے اس نے گزارش کی۔

وہ کتنی دیر دکھ بھری نظروں سے اس کے منتشر وجود کو دیکھتی رہیں اور پھر ایک خفگی کا تاثر دیتی خاموشی سے باہر نکل گئیں' ایک پل کے لیے اسے لگا کہ وہ اپنے فیصلے پر مضبوطی سے جمی نہیں رہ سکے گی۔

"میں کیا کروں امی! میں مجبور ہوں' میں کمزور نہیں تھی' مگر میرے رشتوں نے مجھے کمزور کردیا ہے۔" وہ وہیں میز پر سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے دل نے کہا کہ وہ اپنے وجود کو ہی آگ لگا دے' جس کی وجہ سے یہ سب ہو رہا تھا۔

کالج کے ڈرامہ فیسٹول میں اس نے انارکلی کا رول پلے کیا تھا۔ خوب صورت تو وہ پہلے ہی تھی' مگر اس گیٹ اپ نے اس کے حسن کو مزید پُرکشش بنا دیا۔ ہر آنکھ پلک جھپکے بغیر اس کے سوگوار روپ کو دیکھتی رہی اور یہیں اس فنکشن کے چیف گیسٹ سردار شاہ ویر اس پر اپنا دل ہار گئے۔ انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ عمر میں ان سے کتنی چھوٹی ہے۔ انہیں بس اپنے دل کا خیال رہا' جس کی ہر دھڑکن میں وہ بغیر اجازت آکر سما چکی تھی۔ انہیں اگر کچھ یاد رہا تو اس کا سوگوار حسن' اس کی معصومیت' اس کی دلکشی۔

اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے اس کے گھر اپنا پرپوزل بھیج دیا اور وہیں سے مائدہ کی زندگی کا بھیانک باب شروع ہو گیا۔ اظفر صاحب نے رشتے سے انکار کردیا۔ یہ بات سردار شاہ ویر کی غیرت کو تازیانے کی طرح لگی۔ دل کا معاملہ رفتہ رفتہ انا کا سوال

بن گیا اور پھر انا ضد میں ڈھلتی گئی۔ مائدہ اور اس کے گھر والوں کی زندگی تنگ سے تنگ تر ہوتی گئی۔ محلے والے علیحدہ ان کے گھر پہ نظر رکھنے لگے' کن سوئیاں لینے لگے۔

تنگ آکر انہوں نے وہ محلہ ہی چھوڑ دیا۔ چار دن ہی وہ نئے گھر میں سکون سے رہ پائے تھے کہ ایک دن کچھ عورتیں ہاتھوں میں مٹھائی کی ٹوکریاں تھامے ان کے گھر چلی آئیں اور پھر تمام شکن رکھتے وہ اس کی منگنی کی تاریخ طے کر کے چلی گئیں' جبکہ وہ تینوں ہکا بکا ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے۔

مائدہ پھر بھی ہار ماننے والوں میں سے نہ تھی۔ اسے سردار شاہ ویر پر بے انتہا غصہ آیا۔ جس نے ان سب کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اسی غصے کے زیر اثر وہ ان کے محل نما گھر جا پہنچی۔

"آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو' اپنی دولت کے بل بوتے پر جیسا چاہیں گے ویسا کریں گے۔ کوئی آپ کو روکنے والا نہیں۔ حاکم ہیں' دوسرے محکوم نظر آتے ہیں۔" کسی صورت وہ اپنے اشتعال کو کنٹرول نہیں کر پا رہی تھی۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں ہیں۔ انہوں نے حیرت سے اس چھوئی موئی سی لڑکی کو دیکھا جو اس وقت شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی' پھر ہاتھ کے اشارے سے سب کو باہر جانے کو کہا۔ وہ سب ایک ایک کر کے خموشی سے باہر نکل گئے۔

"مجھ سے آج تک اس لب و لہجے میں کسی نے بات نہیں کی۔ یہ لہجہ میں نے آج تک نہیں سنا' مگر اب۔" وہ رکے۔ پھر بولے۔ "خیر چھوڑو' تم پہلی بار اپنے گھر آئی ہو' اس لیے تمہاری پہلی اور آخر غلطی سمجھ کر میں درگزر کرتا ہوں۔"

وہ اس کے روبرو آکھڑے ہوئے۔ وہ ان کے اونچے لمبے قد کو غصے سے گھورنے لگی۔ بے شک ان کی شخصیت ایسی ضرور تھی کہ مقابل کو لمحوں میں اپنا اسیر کرلے' مگر اس وقت ان کے سامنے مائدہ تھی جسے کچھ ہی دنوں میں ان سے شدید نفرت ہو چکی تھی۔

"میرا گھر۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "مر بھی گئی نا تو اس گھر میں نہیں آؤں گی۔" وہ باور کروانا نہ بھولی۔

"لیکن اس وقت تو اسی گھر میں کھڑی ہو۔" وہ دلچسپی سے بولے۔

"ہاں کھڑی ہوں' مگر آخری بار۔۔۔ اپنے دل سے خوش فہمی بلکہ غلط فہمی نکال دیں کہ آپ مجھے اس گھر میں لانے میں کبھی کامیاب ہوں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوطی سے بولی۔ وہ ہنسے' جیسے کسی بچے کی بچکانہ بات پر مسکرایا جاتا ہے۔ بڑی زچ کرنے والی مسکراہٹ تھی' وہ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ وہ اس کے نزدیک آکر اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو دیکھ کر بولے۔

"ویسے تم میں کوئی بات تو ضرور ہے' ایسے ہی تو سردار شاہ ویر اپنا دل نہیں ہار گیا۔ سردار شاہ ویر کی بیوی کو اسی طرح نڈر ہونا چاہیے۔"

وہ بوکھلاتے ہوئے دو قدم پیچھے سرکی۔ اسے ان سے اس قدر بے باکی کی توقع نہیں تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ ہنسے۔

"ابھی تو بڑی اکڑ رہی تھیں' اب کیا ہوا؟" اس کے دلکش گھبرائے ہوئے سراپے کو نظروں کے حصار میں لیتے وہ پھیرنے لگے تو وہ اپنے اندر ابلتے اشتعال کو بمشکل کنٹرول کرنے لگی۔

"آپ اپنی حد میں رہیں۔" سیاہ آنکھوں سے پھوٹتی روشنی اسے کچھ غلط ہونے کا الارم دینے لگی۔

"ابھی تم نے میری حد دیکھی ہی کہاں ہے؟" انہوں نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنے بے انتہا قریب کرلیا۔ اتنا قریب کہ ان کی گرم سانسوں کی تپش اس کا چہرہ جھلسانے لگی۔ پل میں اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ اتنی دیدہ دلیری' وہ اندر تک کانپ کر رہ گئی۔ ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے اس نے بھرپور زور لگایا' مگر پھر ناکام ہوتے ہانپنے لگی۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ دبے دبے لہجے میں چیخی تو سردار شاہ ویر جو بہت دلچسپی سے اس کی قوت آزمائی دیکھ رہے تھے' دلکشی سے مسکرا دیے۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ بس اتنا ہی دم ہے۔" انہوں

www.pkdigest.com

نے چوٹ کی۔

"ویسے تو مجھے عورتوں کا رونا بہت برا لگتا ہے' مگر تمہاری آنکھوں میں آنسو بھی جچتے ہیں۔"

وہ جذبوں سے بوجھل آواز میں بولے۔ عجیب پاگل شخص تھا وہ۔ اس نے ایک ناگوار سی نظر ان کے تیکھے نقوش سے سجے چہرے پر ڈالی اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جب سردار شاہ ویر کی گرفت کمزور پڑی۔ مائدہ نے فاصلہ پیدا کرنے میں لمحہ لگایا تھا۔

"تمہاری آنکھوں میں' میں ہر تاثر برداشت کر سکتا ہوں' مگر بے زاری اور ناگواری کا نہیں۔"

"اور جب جب آپ مجھے اپنے پاس پائیں گے یہ ہی تاثر ابھرے گا۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھل جائیں۔ میرے پاس آپ کے لیے صرف اور صرف نفرت ہی ہے۔ بہت پچھتائیں گے۔"

ایک موہوم سی امید کے تحت اس نے انہیں اپنے ردِعمل سے آگاہ کرنا چاہا۔ مگر وہ ہنسے اور پھر ہنستے ہی گئے۔ کب کسی نے انہیں پہلے کبھی اتنا خوش دیکھا ہوگا۔

"تم ان فکروں میں مت پڑو۔ پہلے ہی دھان پان سی ہو۔ کھایا پیا کرو اور موجیں کیا کرو' اپنی ہر فکر سردار شاہ ویر کو سونپ دو۔"

ان کے طرزِ تخاطب پر اس کی کن پٹیاں سلگنے لگیں۔ ضبط و برداشت کی طنابیں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ اس وقت کو کوس کر رہ گئی' جب اس نے یہاں آنے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس نے شدید غصے کے عالم میں ان کی ہنوز پُرسکون جذبے لٹاتی آنکھوں میں دیکھا اور مزید ایک لفظ کہے بغیر پلٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ دروازہ عبور کرتی سردار شاہ ویر نے نرمی سے اس کی کلائی تھام لی۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

"تم حسین ور عنا ہو۔ ایسا نایاب موتی جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔ تمہیں اس زمین پر سردار شاہ ویر کے لیے اتارا گیا ہے۔ تم میری محبت ہو اور اگر سردار شاہ ویر اپنی محبت نہ حاصل کر سکا تو اسے جینے کا حق نہیں۔" وہ یک لخت سنجیدہ ہوئے۔ مائدہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی' مگر اس کے باوجود وہ خود کو تلخ ہونے سے نہ روک سکی۔

"محبت۔۔۔" وہ زہر خند انداز میں ہنسی۔

"آپ جیسا انسان کیا جانے کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ محبت میں غرور نہیں فخر و مان ہوتا ہے۔ غرور تو اللہ کو ناپسند ہے اور غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہی ہوا ہے۔"

دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے اس نے ان کی نکمزور پڑتی گرفت سے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑائی اور دروازہ عبور کر گئی' جبکہ وہ پیچھے کھڑے کتنی دیر اپنا غصہ ضبط کرتے رہے اور پھر گرج دار آواز میں بولے۔

"خادم۔۔۔ خادم حسین' نذیر ہاشم۔"

"حاضر ہوں سائیں!" تینوں تیزی سے اندر داخل ہوئے سر خم کیے کھڑے ہو گئے۔

"ابھی ابھی مائدہ بی بی باہر گئی ہیں' انہیں باحفاظت احترام سے گھر ڈراپ کر کے آؤ۔"

"بہتر سائیں!" تینوں پھرتی سے باہر کی طرف لپکے۔

☆ ☆ ☆

شاہ ویر کے بندے ہر وقت ان کے گھر کے اردگرد منڈلانے لگے۔ محلے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اس پر نظر رکھی جانے لگی۔ وہ زچ ہونے لگتی' جھنجلانے لگتی' اس کے والدین تو اپنے گھر کے باہر اتنے ہٹے کٹے بندوں کو دیکھ کر اچھے خاصے خوف زدہ ہو گئے۔ ایک بار پھر سے اس کے ماں' باپ کی شرافت پر انگلی اٹھنے لگی۔ وہ یہ سب دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

اسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر وہ کرے تو کیا کرے۔ اپنے ماں' باپ کی عزت کی خاطر اپنے دل پر جبر کرتے آخر وہ ایک فیصلے پر جا پہنچی۔ اس نے اپنی امی سے کہہ دیا کہ وہ سردار شاہ ویر سے شادی پر تیار ہے۔ اس کے فیصلے پر اس کی ماں تڑپ کر رہ گئی۔ پھر انہوں نے اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ ہارنے لگی۔ اس کے اندر عجیب سی توڑ پھوڑ ہونے لگی۔ کبھی سوچتی جھک جائے' کبھی سوچتی ڈٹ جائے۔ دل و دماغ میں عجیب سی جنگ چھڑنے لگتی۔ امی سے تو اس نے کہہ دیا تھا' مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو کسی صورت مان نہیں رہا تھا۔

وہ ابھی گیٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ خادم حسین مؤدب انداز میں سر جھکاتے گویا ہوا۔

"چھوٹی بی بی! آپ کو جہاں بھی جانا ہے' میں چھوڑ دیتا ہوں۔"

"واٹ؟ یہ کیا بکواس ہے۔" بوتل کے جن کی طرح اسے سامنے پا کر پہلے تو وہ اچھلی' پھر ناگواری سے بولی "دماغ تو درست ہے تمہارا؟"

"چھوٹی بی بی! سردار سائیں کا حکم ہے کہ آپ کو تنہا کہیں نہ جانے دیا جائے۔ آپ سردار سائیں کی عزت ہیں۔ گھر میں چار' چار گاڑیاں ہونے کے باوجود آپ رکشوں یا ویگنوں کے دھکے کھائیں' یہ سردار سائیں کو پسند نہیں۔"

یہ سب سن کر تو اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ کتنی دیر تو وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"آپ کی بہت مہربانی' آپ گاڑی میں بیٹھ جائیے' آپ کو جہاں جانا ہے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔" ادب سے کہتے ہوئے جھک کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

گلی سے گزرتی دو' تین عورتیں اس پر ایک تمسخر بھری نظر ڈال کر پُرتجسس ہوتی کچھ فاصلے پر جا کھڑی ہوئیں۔ اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔ وہ ایک بھی لفظ کہے بغیر واپس پلٹ آئی' اپنے بیڈ پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆ ☆ ☆

اک نرم گرم لمس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ امی' ابو اس کے قریب بیٹھے محبت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہماری بیٹی کو یہ خوب صورت دن بہت بہت مبارک ہو۔" ابو نے اس کے ماتھے پر پیار بھرا بوسہ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل

قیمت =/80 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/100 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/180 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/270 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

دیتے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا' جبکہ امی نے اسے پیار کیا' گلے لگایا اور پھر ایک سوٹ گفٹ کیا۔ اتنی محبت پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آج شام میں آتے ہوئے میں کیک لے آؤں گا۔ ثریا! تم بھی اچھا سا کھانا تیار کر لینا۔ آج ہماری گڑیا کی سالگرہ ہے۔ مل کر منائیں گے۔" وہ ایک دفعہ پھر سے اسے پیار کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

امی نے اسے بہت خوب صورت سرخ رنگ کا شیفون کا سوٹ گفٹ کیا تھا۔ اسے اپنی ماں پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ شام کو نہانے کے بعد اس نے وہ سوٹ زیب تن کر لیا۔ بال گیلے ہونے کی وجہ سے پشت پر کھلے چھوڑ دیے۔ آج بہت دنوں بعد امی' ابو اسے پرانے انداز میں ملے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔ ڈور بیل پر وہ مسکرائی۔

"یقیناً" ابو ہوں گے۔" سر پر دوپٹہ اوڑھتی وہ سرشار سی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"تم؟" سامنے کھڑے بندے کو دیکھ کر وہ پہلے حیران ہوئی' پھر غصے سے بولی۔

"چھوٹی بی بی! آپ کو سردار سائیں نے یاد کیا ہے' چلیے ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

"واٹ؟" اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ "یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم اور میں کیوں تمہارے ساتھ چلوں۔" وہ سختی سے بولی۔ حقیقتاً" اس کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔

"بی بی سائیں! ہم آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتے' ہمیں اس کا حکم نہیں' آپ سے درخواست ہے کہ مہربانی فرما کر گاڑی میں بیٹھ جائیں۔" خادم حسین نے اپنی وفاداری اس پر اچھی طرح ظاہر کر دی۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"یہ کیا اول فول بکے جا رہے ہو اور کیوں جاؤں میں تمہارے ساتھ' نہیں جاتی' کیا کر لو گے تم۔ سمجھ کیا رکھا ہے تم لوگوں نے ہمیں' ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی' سنا تم نے' اور خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا تو' ورنہ ہاتھ توڑ دوں گی' سمجھے۔" وہ تو بھری بیٹھی تھی۔

"ہم آپ کو ہاتھ لگا بھی نہیں سکتے' آپ ہمارے لیے بہت مقدس ہیں' مگر ہم زبردستی کرنے پر مجبور ہیں' ہمیں معاف کر دیجیے گا۔" معذرت کرنے کے ساتھ ہی اس نے گاڑی میں بیٹھی دونوں عورتوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا' جو زبردستی اسے گاڑی میں بٹھانے لگیں۔ اس کی دھڑکنیں رکنے لگیں۔ مزاحمت کے انداز میں وہ فقط پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ کمرے میں لا کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ ان ہٹی کٹی عورتوں کو ناگواری سے گھورتی بازو سہلانے لگی۔ نہ جانے کیا کھاتی ہیں "مسوٹی بھینسیں" وہ غصے سے بڑبڑائی۔

"ہمیں معاف کر دیجیے گا چھوٹی بی بی! ہم آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے ہمیں مجبور کیا تھا۔" دونوں میں سے ایک مؤدب انداز میں بولی۔ اس کا دل چاہا اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دے۔ ابھی تک دونوں کی سخت انگلیاں اسے اپنے بازوؤں میں دھنستی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ دونوں خاموشی سے کمرے میں چھوڑ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے ہی لپکی تھی کہ اندر داخل ہوتے سردار شاہ ویر سے بری طرح ٹکرائی۔ صحیح معنوں میں اسے دن میں تارے نظر آنے لگے۔

"ارے دیکھ کر بھئی۔" وہ اسے اگر بروقت نہ تھام لیتے تو یقیناً" وہ زمین بوس ہو چکی ہوتی۔

"مجھے اگر پتا ہوتا کہ اتنے شان دار انداز میں میرا استقبال ہوگا تو میں بہت پہلے کمرے میں آ جاتا۔" سردار شاہ ویر کی سیاہ آنکھیں جیسے اس کے نازک سراپے پر جم سی گئیں۔ کتنے ہی لمحے بیت گئے وہ مبہوت سے یک ٹک اس کے گلابی چہرے کو دیکھتے رہے۔ مائدہ کو ان کے دیکھنے کے انداز سے الجھن ہونے لگی۔ "چھوڑیں مجھے" بری طرح کسمساتے ہوئے اس نے ان کی گرفت سے اپنے شانے چھڑانے چاہے تو سردار شاہ ویر جیسے ہوش میں آ گئے' پھر اپنی بے خودی پر مسکراتے ہوئے ایک بھرپور نظر اس کے چمکتے دمکتے وجود پر ڈالی۔ "تو گویا چاند ہمارے آنگن میں اتر ہی

آیا۔" انداز نہایت دلنشین تھا' مائدہ نے سٹپٹاتے ہوئے ایک برہم نظر ان کے پُرسکون چہرے پر ڈالی اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ سردار شاہ ویر سکون سے جا کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔ کافی زور لگانے کے بعد بھی جب اس سے لاک نہ کھلا تو وہ غصے سے پلٹی۔ "مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"دیکھنے کے لیے۔" اسی سکون سے جواب آیا۔

"واٹ۔۔۔؟ آپ پاگل تو نہیں ہو گئے۔" وہ طیش سے پھنکاری۔ اسے ان کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

"ہاں۔۔۔ ہو گیا ہوں' مگر تمہارے عشق میں۔" وہ اس کے روبرو آ کھڑے ہوئے۔ ان کے کلون کی مدھم مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرانے لگی۔ اسی وقت ایک عورت دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اور میز پر کیک سجا کر پلٹ گئی۔ دروازہ کھلنے پر وہ حیران ہوئی۔ اس کے اتنا زور لگانے پر بھی دروازہ نہیں کھلا تھا' پھر اس نے کیسے کھول لیا۔ اس نے الجھ کر سوچا' پھر کیک کو دیکھتے بے ساختہ ٹھٹکی۔

"ہماری جان کی سالگرہ ہو اور ہم نہ منائیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کو کلائی سے تھامتے وہ کیک کے پاس لے آئے۔ "لو کیک کاٹو۔" اس کی طرف چھری بڑھائی۔ اسے یاد آیا ابو اس کے لیے کیک لے آئے ہوں گے اور اب اسے نہ پا کر کافی پریشان ہو رہے ہوں گے' اس کی آنکھیں بھرانے لگیں۔

"کیک کاٹو مائدہ!" وہ پھر بولے۔

اس نے نفرت سے ان کی طرف دیکھا۔ "نہیں کاٹوں گی۔" وہ بولی نہیں پھنکاری تھی۔

وہ ہنسے۔ "بہت ضدی ہو' مگر تم پر ضد بھی جچتی ہے۔ لو شاباش کیک کاٹو۔" ـــــــ بچوں کی طرح پچکارتے وہ تیزی سے اس کے ہاتھ میں چھری پکڑانے لگے۔ وہ تلملا اٹھی۔

"ایک دفعہ کہہ دیا ناکہ نہیں کاٹوں گی' تو پھر نہیں کاٹوں گی۔" اس نے ان کے ہاتھ کو جھٹکا' چھری دور جا گری۔ سردار شاہ ویر کے چہرے نے لمحوں میں رنگ بدلا تھا' ماتھے پر لکیریں ابھرنے لگیں۔

"ایک دفعہ کا کہا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں مجھے غصہ دلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا' مگر تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔" یک لخت وہ سنجیدہ ہو گئے۔

"نہیں کاٹوں گی میں کیک' سمجھے آپ۔" وہ ہٹ دھری سے بولی۔ "کیوں میں آپ کے لیے کیک کاٹوں؟ کیا لگتے ہیں آپ میرے؟ کس ناتے سے مجھ پر اتنا حق جتاتے ہیں؟ اور میں کیوں آپ کے رعب میں آؤں؟ میرا گھر سے تنہا نکلنا آپ کو پسند نہیں' غیر مردوں سے باتیں کرنا آپ کو پسند نہیں' خادم حسین کا مجھے چھونا آپ کو پسند نہیں' تو پھر آپ کون ہیں' میرے کیوں بار بار میرے قریب آتے ہیں' کس حق سے مجھے چھوتے ہیں' دوسروں کے لیے جو اصول ہیں وہ اپنے لیے بھی اپنائیں۔"

سردار شاہ ویر کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے۔ ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ گئے۔

"جینا حرام کر دیا ہے آپ نے میرا اور میرے والدین کا۔ کیا یہی آپ کی شرافت ہے۔ آپ عزت و غیرت کے علمبردار بنے پھرتے ہیں' پہلے اپنے گریبان میں تو جھانک کر دیکھیں۔ غیر لڑکیوں کے قریب آنا' انہیں چھونا' کیا آپ کی غیرت کو زیب دیتا ہے؟ کیا لگتی ہوں میں آپ کی اور کوئی اگر جو آپ کی بہن کے ساتھ یہ سب کرے تو پھر۔۔۔"

"بس۔"

وہ سلگتے لہجے میں کہہ رہی تھی' جب ہاتھ اٹھاتے ہوئے وہ پتھریلے لہجے میں بولے۔ ان کی آنکھیں بے حد سرخ ہو چکی تھیں۔

"بہت بول چکیں تم۔ تمہیں اسی بات پر اعتراض ہے ناکہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں' میں نامحرم ہوں تمہارے لیے۔ ٹھیک ہے' میں تمہارا یہ اعتراض بھی دور کیے دیتا ہوں' خادم حسین!" وہ دھاڑے۔

"جو حکم سائیں!" وہ لمحوں میں حاضر تھا۔

"میرے اور مائدہ بی بی کے نکاح کا انتظام کرو' تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔"

www.pkdigest.com

"بہتر سائیں!" وہ پلٹ گیا' جبکہ وہ اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین ہی سرک گئی ہو۔ اسے اپنی دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"یہ' یہ کیا ہے؟" وہ ہکلا کر رہ گئی۔ سارا طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"کیوں۔۔۔ تمہاری خواہش پر ہی تو سب ہو رہا ہے' ورنہ میں تو تمہارے ایف اے کرنے کے بعد یہ قدم اٹھانے والا تھا۔ تمہیں ہی جلدی تھی۔" وہ سکون سے بولے۔

"نہیں!" اسے لگا کہ پوری چھت اس پر آگری ہو۔

"کیا نہیں؟"

"میں یہ نہیں ہونے دوں گی' سمجھے آپ۔" وہ زور سے چلائی۔

"یہ تو ہونا ہی تھا' آج نہیں تو کل' پر خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو' ایک گھنٹے میں تمہارا نکاح ہونے والا ہے۔" آرام سے کہتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھے' جب وہ لپکتے ہوئے ان کے قریب آئی۔

"پلیز شاہ ویر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں' میں مر جاؤں گی' مگر آپ سے نکاح نہیں کروں گی' پلیز دیکھیے آپ ایسا کچھ مت کیجیے۔"

"میں جانتا ہوں پہلی بار کوئی بھی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ ابھی ایک گھنٹہ ہے' جو تمہارے مائنڈ کو پریپیئر کرنے کے لیے کافی ہے۔ آج پہلی بار تم نے میرا نام لیا ہے اور تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کتنا خوش ہوں۔"

وہ اس کے سسکتے وجود کو دار فتگی سے تکتے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ انہیں یک ٹک دیکھ کر رہ گئی۔ دائیں آنکھ کا آنسو آنکھ کے کنارے ہی لڑکھڑا کر رہ گیا۔ سردار شاہ ویر نے گہری نظر اس کے گلابی ادھ کھلے ہونٹوں پر ڈالی' بے خودی میں اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے قریب لے آئے' مگر پھر وہیں مٹھی بھینچ لی۔

"اب میں تمہیں تب ہی چھو ڈں گا' جب تمہارے جملہ حقوق میرے نام ہو جائیں گے۔" وہ پلٹ گئے' جیسے ہی نکاح خواں نے اس کی رضامندی لینی چاہی وہ انکار کر گئی۔

"تم کچھ بھی کر لو سردار شاہ ویر! مگر مجھ سے ہاں نہیں کہلوا سکتے۔" اس نے تنفر سے سوچا۔

اس کے انکار کی خبر سردار شاہ ویر تک با آسانی پہنچ گئی۔ انہوں نے جیب سے پین نکالتے صاف صفحے پر چند لائنیں تحریر کیں۔ یہ دلہن کو دے آؤ وہ انکار نہیں کرے گی۔

اور واقعی ان لفظوں کو پڑھ کر وہ ہار گئی' مگر ان کمزور لمحوں میں بھی اس نے شرط رکھی کہ وہ نکاح نامے پہ سائن تو ہی کرے گی جب اس کے والدین بھی موجود ہوں گے۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی' اپنوں کا ساتھ چاہتی تھی۔ سردار شاہ ویر نے اس کی بات کا مان رکھا اور اس کے والدین کو بلا لیا' جو یہاں آتے ہی حیران پریشان سب سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا امی' ابو میں بہت بری ہوں' مگر میں مجبور ہو گئی تھی۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔" وہ کہنے لگی۔

ابو نے اس کے لرزتے وجود کو کندھے سے لگایا۔ آج انہیں بیٹے کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ بھائی تو بہنوں کا مان اور محافظ ہوتے ہیں۔ ان کی نگہبانی میں ان کی بہنوں پر کوئی بری نظر نہیں ڈال سکتا۔ بے اختیار ان کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر اس کے آنچل میں جذب ہو گئے۔ امی اپنی نازوں پلی کو برستی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"پلیز مجھے یہاں چھوڑ کر مت جائیے گا ابو!" وہ سراسیمہ سی گویا ہوئی تو انہوں نے سردار شاہ ویر سے بات کرنے کے بارے میں سوچا۔

اسی وقت سردار شاہ ویر تفاخر سے گردن اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ اظفر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبکہ ثریا بیگم نے مائدہ کو خود میں بھینچ لیا' جیسے ان کی نظروں سے چھپانا چاہا ہو۔

"پلیز آپ بیٹھیے۔" وہ ادب سے مخاطب ہوئے۔

اظفر صاحب انہیں روبرو پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ چھ فٹ سے نکلتا قد' اپنے اٹل ارادوں کا پتا دیتی کھڑی مغرور ستواں ناک بھرا بھرا جسم' چوڑا سینہ' سیاہ روشن آنکھیں' گندمی رنگت' بھرے بھرے سرخ ہونٹوں پر سیاہ مونچھیں' یہ یونانی دیوتاؤں سی وجاہت رکھنے والا نوجوان انہیں بظاہر برا نہیں لگا تھا۔ انہیں لگا کہ وہ انہیں اپنی بات سمجھا سکتے ہیں جو آنکھوں میں احترام لیے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"جو ہونا تھا' جیسے ہونا تھا ہو گیا سردار صاحب! مگر۔۔۔"

"ایک منٹ" ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ ہاتھ اٹھا کر بولے تو انہیں خاموش ہونا پڑا۔ مائدہ نے امی کی طرف ہراساں نظروں سے دیکھا۔

"آپ کی بات درمیان میں کاٹی اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں' لیکن اگر آپ مجھے صرف شاہ ویر کہیں گے تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی بابا سائیں!" ان کے لہجے میں ادب و احترام کی واضح جھلک تھی۔ نہ جانے کیوں' مگر اظفر صاحب اندر سے پُرسکون ہونے لگے۔ یقیناً" وہ مصلحت کی کوئی نہ کوئی راہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

"آیئے ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" مائدہ کو وہ اس وقت بہت بڑے ڈھونگی لگ رہے تھے۔

"میں چاہتا ہوں کہ رخصتی مائدہ کے بی اے کرنے کے بعد کی جائے۔ کیا آپ کو اعتراض ہے۔" معاملے کی سنگینی کے پیش انہوں نے لفظوں کا چناؤ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا' ورنہ جتنی من مانی وہ کر چکے تھے کچھ بعید نہ تھا' آگے کیا کر جاتے۔ وہ سیدھے سادے شریف انسان تھے' ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

"بی اے کرنے میں تو کافی عرصہ درکار ہے' جبکہ اتنا لمبا انتظار۔ خیر آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہیں' ایف اے تک رخصتی ملتوی کر سکتا ہوں۔"

مائدہ نے پُرسکون سانس ہوا میں خارج کیا' وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اظفر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ مائدہ اور ثریا بیگم بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر مائدہ سے بات کر سکتا ہوں۔" وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"امی پلیز مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔" اس نے بے ساختہ جوڑے' مگر وہ بھی باہر نکل گئیں تو وہ ہراساں نظروں سے سردار شاہ ویر کو دیکھنے لگی۔

"ہوں تو مسز سردار شاہ ویر! ہماری زوجیت میں آکر کیسا محسوس کر رہی ہیں۔ اب تو ہم دونوں نامحرم نہیں ہیں' میں تمہیں چھونے کا مکمل حق رکھتا ہوں۔"

سیاہ آنکھوں میں جذبوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا۔ مائدہ کو لگا جیسے اس کے اردگرد کوئی دیوار کھڑی ہو گئی ہو۔ وہ لاکھ چاہے' مگر دیوار پھلانگ نہیں سکتی۔ سیاہ آنکھوں کے بے باک تیوروں کو روکنے کا اب اس کے پاس کوئی جواز نہ تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئے اور اسے کندھوں سے تھام لیا۔ اس کا رواں رواں کانپنے لگا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوئی کہ سینہ چیرتی باہر آنے لگی۔

"مجھے پورا حق ہے کہ میں تمہیں چھو سکوں' دیکھ سکوں اور سراہ سکوں' اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔

"تم نہیں جانتیں مائدہ! کہ تم میرے لیے کیا ہو اور تم کبھی سمجھ بھی نہیں سکو گی۔ تم میرے انتظار کا ثمر ہو۔ تم میرے تصور کا شاہکار ہو' تم میری آنکھوں کا خواب ہو' تم میرے جینے کا جواز ہو۔"

جذبوں کی شدت کی وجہ سے ان کی آواز بوجھل ہو گئی۔ مائدہ کو لگا اگر تھوڑی دیر وہ اور اسی طرح کھڑے رہے تو وہ ضرور بے ہوش ہو جائے گی۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں' بے انتہا محبت' تم مجھے ہر وقت سرتاپا محبت ہی پاؤ گی۔ تم میری ہو چکی ہو' میری دیوانگی کو قرار آگیا ہے۔ میرے دل کو سکون مل گیا ہے۔ اس کے عوض اگر تم جان بھی مانگو تو میں ہنس کر دے دوں گا۔"

www.pkdigest.com

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھے اور ان کی گرفت سے اپنا چہرہ آزاد کرنا چاہا۔ اس کی کمزور سی کوشش پر وہ دلکشی سے مسکرائے اور پھر اسے دونوں کندھوں سے تھامتے ٹیبل پر موجود کیک کے پاس لے آئے۔

"لو کیک کاٹو۔" ٹیبل سے چھری اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ وہ خاموشی سے کیک کاٹنے لگی۔ انہوں نے چھوٹا سا پیس اٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔ جن حالات میں وہ اس وقت پھنسی ہوئی تھی، کسی قسم کی بھی مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ کرنا چاہتی تو بھی نہیں۔

خاموشی سے منہ کھول کے اس نے چھوٹا سا نوالہ لے لیا۔ اس کی حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنس گیا۔ وہ زندگی میں کبھی ایسی بے بس بھی ہوگی اس نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"اس سے پہلے مجھے کیک کبھی اتنا مزے دار نہیں لگا۔" اس کا جھوٹا کیک رغبت سے کھاتے سردار شاہ ویر کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی۔ اس کی آنکھیں بے اختیار جھک گئیں۔ پھر وہ سنجیدہ ہوئے۔

"میں تمہیں خود سے کسی صورت دور نہیں کرنا چاہتا، مگر بابا سائیں کی خواہش کا مان رکھتے ہوئے مجھے ایسا کرنا پڑا۔ جس طرح میں نے بابا سائیں کی خواہش کا احترام کیا ہے، میں چاہوں گا تم بھی میری ہر خواہش کا مان رکھو، سمجھیں۔" انہوں نے اسے کندھوں سے تھاما۔ وہ خاموش رہی۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

نہ جانے کیا ہوا تھا کہ سردار شاہ ویر جو اسے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے اک مانوس سی کیفیت کے زیر اثر اسے بانہوں میں لے لیا۔ "تم مجھے پاگل کر کے چھوڑو گی۔" وہ بے خودی میں بڑبڑائے۔ وہ اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھی، اچھی خاصی بوکھلا کر رہ گئی۔

"پلیز چھوڑیں مجھے۔" وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح ان کی بانہوں کے گھیرے میں تڑپنے لگی۔

"تمہیں چھوڑنے کو ہی تو دل نہیں چاہ رہا، مگر مجبوری ہے۔" اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے وہ ہنسے۔ بڑی بے بس سی ہنسی تھی۔

"سردار شاہ ویر بھی زندگی میں کبھی مجبور ہو سکتا ہے، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" وہ اپنی بے بسی کا مذاق اڑانے لگے، پھر اس کے نازک سراپے پر بھرپور نظر ڈالتے ہوئے پلٹ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ جیسے ہی کالج جانے کے لیے گیٹ سے باہر نکلی۔ خادم حسین نے اس کے لیے بیک ڈور کھول دیا۔ وہ چادر سنبھالتی خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ آج وہ پورے ہفتے بعد کالج جا رہی تھی۔ کلاس فیلوز نے جب اس کی غیر حاضری کی بابت پوچھا تو وہ طبیعت خرابی کا بہانہ بنا گئی۔ مگر اپنی بیسٹ فرینڈ سارہ سے وہ کچھ نہ چھپا سکی۔ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اس نے اپنے دل کا تمام درد کہہ سنایا۔

"اوہائی گاڈ۔ تمہارے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے خبر تک نہ ہو سکی۔"

"پلیز سارہ! مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟"

"اب تم کر بھی کیا سکتی ہو؟" وہ تاسف سے بولی۔

"کیوں... کیوں میں کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ امیرزادے خود کو سمجھتے کیا ہیں، دولت کے بل بوتے پر جو چاہیں کر سکتے ہیں۔" وہ نفرت و ناگواری سے بولی۔

"مائدہ! اب تم سردار شاہ ویر کی منکوحہ ہو۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ تمہارا ان سے نکاح ہو چکا ہے اور یہ وڈیرے ٹائپ مرد اپنی منگ تک۔ کسی صورت نہیں چھوڑتے، بیوی تو دور کی بات۔"

"مگر میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی سارہ! مجھے ان سے نفرت ہے، شدید نفرت۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پلیز روؤ مت، رونے سے اس مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔ اسی لیے اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے۔ نہ وہ تمہیں دیکھتے اور نہ اس طرح ہوتا۔ انارکلی کے گیٹ اپ میں لگ بھی تو تم بڑی پیاری لگ رہی تھیں۔"

مائدہ اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی، پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"یہ جو پانچ گز کا ٹینٹ ان ہی کے حکم پر اوڑھتی ہوں۔" اس نے اپنی بلیک چادر کی طرف اشارہ کیا۔ "جانتی ہو جس گاڑی میں، میں کالج آئی ہوں اس کا ٹکر بھی بلیک ہے اور شیشے بھی، پردے کی اتنی سختی ہے، مگر اب کیا فائدہ... میرے ساتھ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔" اپنی بے بسی پر اسے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

"دیکھنا میں رخصتی نہیں ہونے دوں گی۔" وہ دور خلا میں گھورتی ہوئی بولی۔

"تم کیا کرنے والی ہو مائدہ۔" سارہ کو اس کا انداز کھٹکا۔

"کچھ بھی، مگر یہ رخصتی نہیں ہوگی۔" وہ مضبوطی سے بولی۔ اسے وہ وقت یاد آیا، جب سردار شاہ ویر نے اسے خط میں دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اپنے والدین کی زندگی چاہتی ہے تو خاموشی سے ہاں کہہ دے۔ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ کسی حد سے بھی گزر سکتے تھے۔ وہ اچھی طرح جان چکی تھی، اسی لیے خاموشی سے قبول کر لیا۔ مگر پھر کسی خوف کے زیر اثر اس نے اپنے والدین کو بھی بلا لیا۔

☆ ☆ ☆

آخری پیپر دینے کے بعد سب اسٹوڈنٹس نے سکھ بھرا سانس لیا تھا، جبکہ اس کی ٹینشن شروع ہو چکی تھی۔ بہت نڈھال سے انداز میں وہ گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ مگر سامنے سردار شاہ ویر کو دیکھ کر اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ورنہ کوئی شک نہ تھا کہ وہ بھاگ کر دوبارہ اندر چلی جاتی۔ وہ مرے مرے قدموں سے ان کی طرف بڑھنے لگی۔

"السلام علیکم!" حسب معمول انہوں نے ہی سلام میں پہل کی۔ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہ ہلکا سا منمنا کر رہ گئی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ان کے ساتھ اسے کھڑا دیکھ کر لڑکیاں ایک دوسرے کے کانوں میں کھسر پھسر کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"تم سے ضروری بات کرنی تھی، اس لیے آنا پڑا، بیٹھو تم۔" فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے سیاہ آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔ یقیناً لڑکیوں کے کمنٹس انہوں نے بھی بغور سنے تھے۔

"مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔" وہ کھڑی رہی۔

"میں تمہیں اور کہیں نہیں لے جا رہا، بلکہ تمہارے گھر ڈراپ کرنے والا ہوں، راستے میں بات بھی ہو جائے گی۔"

"مجھے پھر بھی آپ کے ساتھ نہیں جانا۔" وہ اڑی رہی۔

"مائدہ...!" ان کے سختی سے ٹوکنے پر وہ ایک نظر ان کے سنجیدہ چہرے پر ڈالتی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ "پہلی دفعہ کا کہا کبھی بھی جلدی سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ جز بز ہوئے، وہ آنسو پیتی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"میں نے بابا سائیں سے رخصتی کی بات کرنی ہے۔ اس فرائی ڈے کی ڈیٹ فائنل ہوئی ہے۔" گویا بم پھوڑا گیا تھا اس کی کمزور سماعت پر۔ اس کے اردگرد سائیں سائیں ہونے لگی۔ غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت میں وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ونڈ اسکرین کی طرف متوجہ تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ اس کے ردعمل سے ناواقف نہ تھے۔

"کچھ کہو گی نہیں؟" کافی دیر جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

پچھی کے پر کاٹنے کے بعد جب اس سے کہا جائے کہ اب تم آزاد ہو، اس وقت وہ جس اذیت سے گزرتا ہے، وہ بھی اسی اذیت کے زیر اثر تھی۔ کتنی دیر وہ ہونٹ کاٹتی رہی۔

www.pkdigest.com

"کچھ تو کہو مائدہ!" وہ پھر بولے۔ اس کا دماغ غصے سے چٹخنے لگا۔

"آپ ہر وقت اپنی ہی من مانی کیوں کرتے ہیں۔ دوسرے کیا چاہتے ہیں' اس کی آپ کو ذرا پروا نہیں۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی۔

"فار یور کائینڈ انفارمیشن' دوسروں کی پروا کرتے ہوئے ہی میں نے رخصتی لیٹ کی تھی۔"

"احسان عظیم کر دیا آپ نے ہم پر' دو ماہ رخصتی لیٹ کر کے۔" اس نے تپے تپے لہجے میں طنز کیا' وہ مسکرا دیے۔

"تم ہر وقت مرچیں ہی کیوں چباتی رہتی ہو۔"

وہ انہیں خشمگیں نظروں سے گھورتے شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

"مائدہ!" انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا پر حدت ہاتھ رکھا۔ لہجہ نرم پھوار کی طرح برسا تھا۔ وہ سلگ کر رہ گئی۔

"ڈونٹ ٹچ می۔" اس نے ان کے ہاتھ کو بے دردی سے جھٹکا۔ ان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"اس طرح کا رویہ رکھ کر آخر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں تمہارے ایسے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر رخصتی پھر سے ملتوی کر دوں گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔" اپنا ہاتھ جھٹکا جانا انہیں کسی صورت گوارا نہیں ہوا تھا۔

"جانتی ہوں میں' بہت ڈھیٹ ہیں آپ' مگر یاد رکھیے گا' میں یہ رخصتی نہیں ہونے دوں گی' بلکہ گھر سے بھاگ جاؤں گی۔"

"مائدہ!" وہ بولے نہیں گرجے تھے' گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے اور وہ سڑک کے بیچوں بیچ رک گئی۔ بہت سختی سے انہوں نے اسے بازو سے دبوچا تھا۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے ابھی۔" ان کی انگلیاں جیسے اس کے بازو میں دھنس کر رہ گئیں۔ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پیچھے بجتے گاڑیوں کے ہارنوں نے انہیں بروقت سنبھلنے اور غصہ کنٹرول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے۔ اس دفعہ گاڑی کی اسپیڈ اتنی تو ضرور تھی کہ کتنی جگہوں پر ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ وہ بہت ڈر گئی۔ سہم کر دروازے کے ساتھ چپک گئی۔ ان کے خطرناک حد تک سنجیدہ پتھریلے چہرے کی طرف دیکھنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ ایک جھٹکے سے گاڑی اس کے گیٹ کے قریب رکی۔ اس کا سر بری طرح ڈیش بورڈ سے ٹکرایا' اسے دن میں تارے نظر آنے لگے۔ مگر پروا کسے تھی۔ پیشانی سہلاتے وہ ابھی باہر نکلنے ہی والی تھی جب انہوں نے بے دردی سے اس کا بازو دبوچا۔

"اس دفعہ تو تمہاری بکواس میں نے سن لی مگر آئندہ ایسی بے ہودہ گوئی کرنے سے پہلے سو بار سوچ لینا۔" ان کے سختی سے کہنے پر وہ اندر تک لرز کر رہ گئی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے اس کی ٹانگیں مرتعش تھیں۔

وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر برا ہوا زبان کا جو ان کے سامنے پھسل گئی۔ چہرہ مزید سخت ہو گیا اور اس کے ہر منصوبے پر پانی پھر گیا۔ وہ رخصتی کا دن آ گیا اور وہ کچھ نہ کر سکی۔ بے بسی اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں اس نے بابل کی دہلیز چھوڑی تھی۔

"میں تمہیں' تمہارے کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی سردار شاہ ویر! میں تمہیں جیت کا جشن کسی صورت نہیں منانے دوں گی۔ مجھے یہاں۔۔۔ اس سجی سیج پر بٹھا کر تم جو فاتح عالم بنے پھر رہے ہو' اگر تمہاری فتح کو شکست میں نہ بدل دیا تو میرا نام بھی مائدہ اظفر نہیں۔"

سجے سنورے کمرے پر حقارت بھری نظر ڈالتے ہوئے اس نے اپنے پرس سے سلیپنگ پلز کی شیشی نکالی اور مٹھی بھر پانی سے نگل گئی۔ اس کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے ایسا کیوں کیا مائدہ؟" اسے اسپتال سے گھر

آئے چوتھا دن تھا' جب سردار شاہ ویر نے اس کے پژمردہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اگر آپ نے مجھے چھونے یا میرے قریب آنے کی کوشش کی تو میں اس عمل کو دوبارہ بھی دہرا سکتی ہوں۔" وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولی۔

سردار شاہ ویر نے ایک گہری نظر اس کے زرد نڈھال چہرے پر ڈالی اور خاموشی سے باہر نکل گئے۔ اب پوچھنے کے لیے کچھ نہ بچا تھا۔

کتنی مشکل سے اس کی جان بچی تھی یہ صرف وہ ہی جانتے تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو انہیں لگا جیسے وہ اپنی متاع حیات ہار گئے ہوں۔ سر توڑ کوشش کی تھی ڈاکٹروں نے اسے ہوش میں لانے کے لیے اور اگر جو وہ ہوش میں نہ آتی تو۔ اس کے آگے وہ سوچ ہی نہ سکے۔ وہ ان سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ ان کی قربت پر موت کو ترجیح دے بیٹھی۔

"میں اس وقت کا انتظار کروں گا مائدہ! جب تمہارے دل میں میرے لیے محبت پیدا ہو جائے۔" غیر مرئی نقطے پر گھورتے ہوئے بڑبڑائے۔

☼ ☼ ☼

"چھوٹی بی بی! سردار سائیں کا حکم ہے کہ آپ اپنے کپڑے پیک کر لیں۔"

"کیوں؟" اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"وہ جی آج شام آپ کے سردار سائیں کے ساتھ ان کے گاؤں جا رہی ہیں۔" وہ خاموشی سے لیٹی رہی۔ ملازمہ کی بات کو اس نے کوئی اہمیت نہ دی۔ مگر پھر کچھ دیر بعد سردار شاہ ویر نے اس سے سامان کی بابت پوچھا تو وہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں گاؤں نہیں جانا چاہتی۔"

"کیوں؟"

"بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"پلیز مائدہ! ہر وقت کی ضد اچھی نہیں ہوتی۔ مجھے ضروری کام سے گاؤں جانا پڑ رہا ہے اور میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا جو پیک کرنا ہے کر لو' ہم ایک گھنٹے بعد نکل جائیں گے۔"

اس کی حالت کے پیش نظر وہ نرم لہجے میں بولے اور پھر اس کا جواب سنے بغیر پلٹ گئے جبکہ وہ جز بز سی اپنی جگہ پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

تقریباً" شام چھ بجے کے قریب وہ روانہ ہوئے تھے۔ خادم حسین نے ان کے ساتھ جانا چاہا مگر سردار شاہ ویر نے منع کر دیا۔ وہ مائدہ کے ہمراہ تنہا سفر کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظریں اس کے شفاف چہرے پر بار بار پھسل رہی تھیں جو نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"یار! اگر تم اسی طرح خاموش بیٹھی رہیں تو یہ تین' چار گھنٹوں کا سفر کیسے گزرے گا۔"

گاڑی میں پھیلی خاموشی سے تنگ آ کر جیسے انہوں نے اس سکوت کو توڑنا چاہا' وہ خاموش رہی۔

"کچھ تو کہو۔۔۔ اچھا یہ ہی بتا دو کہ تمہیں کیا کیا پسند ہے۔" وہ اسے بولنے پر اکسانے لگے اور اس دفعہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ وہ انہیں گھورتے ہوئے بولی۔

"اگر آپ مجھ سے یہ پوچھتے کہ مجھے کیا ناپسند ہے تو میں بہتر بتا سکتی تھی۔"

"اچھا۔۔۔" وہ ہنسے۔ "چلو یہ ہی بتا دو۔"

"آپ۔" واضح جواب آیا۔

اس کے برجستگی سے کہنے پر ان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ انہیں ناگواری سے گھورتے باہر کے نظاروں کو دیکھنے لگی۔ رات کے سناٹے اپنے پر پھیلا رہے تھے۔ اتنی سردی میں بھی اس کے اندر آگ دہکنے لگی۔ جیسے ہی گھٹن کا احساس زیادہ ہوا اس نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔ ہوا کا سرد جھونکا جیسے ہی اندر داخل ہوا اس کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ سردار شاہ ویر نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

"سردی میں ونڈو کیوں کھول دی۔ پہلے ہی دھان پان سی ہو۔ سردی لگ گئی تو؟"

فکرمندی سے کہتے وہ کھڑکی بند کرنے اس کی طرف

www.pkdigest.com

جھکے۔ ان کے کلون کی دلفریب مہک اس کی سانسوں میں بسنے لگی۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ وہ پلٹنے لگے جب ان کی تھوڑی اس کے گال سے ٹچ ہوئی۔ وہ بری طرح ٹھٹکے اور پھر بے خود ہوتے وہیں رُک گئے۔ ان کی آنکھیں جیسے اس کی مرتعش مژگاں کی اضطراری جنبش میں جم گئیں۔ مائدہ نے بمشکل پلکیں اٹھاتے جیسے انہیں گھورنا چاہا' چند لمحوں کے لیے جیسے وہ بھی سب بھولتی گئی۔ وقت رُک گیا' دھڑکنیں بولنے لگیں۔ وہ خود کو بھولنے لگی' اگر اسے کچھ یاد رہا تھا' سیاہ آنکھوں سے پھوٹتی روشنیاں' پھر جیسے ہی سامنے سے آتے ٹرک پر اس کی نظر پڑی وہ چیخ مار کر رہ گئی۔

"شاہ ویر! سامنے دیکھیں۔" سردار شاہ ویر نے ہڑبڑاتے ہوئے اپنی توجہ سامنے مرکوز کی اور پھر جتنی مشکل سے انہوں نے گاڑی کنٹرول کی یہ صرف وہ ہی جانتے تھے۔ گاڑی کچے رستے پر اتر کر پھنس گئی۔

"او مائی گاڈ!" وہ پریشانی سے بولے' مائدہ بے پناہ خوف کے زیر اثر اچھی خاصی سہم گئی۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ سراسیمہ سی گویا ہوئی۔

"ڈونٹ وری مائدہ! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" اس کی ہرنی کی مانند خوف زدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے حوصلہ دیا اور خود گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ سامنے کے دونوں ٹائر پنکچر ہو چکے تھے۔

"اوہ!" انہوں نے زوردار کک ماری اور پھر ارد گرد نظر دوڑائی۔ جگہ سنسان اور بیابان تھی' ایک پل کے لیے تو وہ خود بھی پریشان ہوگئے۔ گھڑی میں ٹائم دیکھا رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ بائیں طرف کافی دور روشنی کی لکیر جیسے ہی ان کی نظروں کی گرفت میں آئی' انہوں نے پُرسکون سانس ہوا میں خارج کیا' غور سے دیکھنے پر رہائش کے آثار واضح دکھائی دینے لگے۔

"مائدہ! نیچے اترو۔"

"مگر کیوں؟" وہ اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلی۔

"او ہو یار! کہیں تو جائیں گے' مگر یہاں کچھ دیر بھی ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔" وہ جھنجلا سے گئے۔

وہ آہستہ سے نیچے اتر آئی۔ گاڑی اچھی طرح لاکڈ کرنے کے بعد وہ اس کا ہاتھ تھام کر روشنی کے تعاقب میں چل دیے۔

"اف میں بہت تھک گئی ہوں' مجھ سے اور نہیں چلا جارہا۔" انہیں مسلسل چلتے ایک گھنٹہ ہوگیا' جب وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"پلیز مائدہ! ہمت کرو۔ بس تھوڑی دور اور۔۔۔" وہ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے بولے تو شدید تھکن کے باوجود وہ ست روئی سے چلنے لگی' ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے جب وہ چیخ مار کر ان سے لپٹ گئی۔

سردار شاہ ویر اچھے خاصے بوکھلا کر رہ گئے۔ "کیا ہوا؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا پھر اس کے سسکتے وجود کو پریشانی سے دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے خود سے علیحدہ کرنا چاہا۔

مائدہ نے مضبوطی سے ان کی قمیص تھام لی۔

"پلیز کچھ بتاؤ تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے؟" وہ تفکر سے بولے تو ان کے سینے میں منہ دیے ہی اس نے ہاتھ کے اشارے سے دائیں طرف اشارہ کیا' جہاں سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے نے رنگ بدلا مگر پھر دوسرے ہی لمحے انہوں نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر نشانہ لگایا۔

سانپ کا سر اس وجود سے جدا ہوگیا' پھر یکلخت وہ پُرسکون ہوتے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو ان کے سینے سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"کتنے چھوٹے دل کی ہو تم اور اگر جو مجھے پہلے پتا ہوتا کہ ایک سانپ دیکھنے سے تم میرے اتنے قریب آجاؤ گی تو بہت پہلے سانپ کو دعوت دے دیتا۔ دیکھ لو اب تم خود میرے قریب آئی ہو۔"

اس کے کانپتے وجود کے گرد تحفظ کا حصار کھینچتے وہ چھیڑنے لگے' مگر اس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی' تھر تھر کانپتے وہ مسلسل سانپ کے بارے میں ہی سوچے جارہی تھی' پہلے کب کبھی اتنے بڑے سانپ کو دیکھا تھا۔ اس کا ڈرنا فطری عمل تھا۔ اپنے خوف میں وہ سردار شاہ ویر کی بے انتہا قربت کو بھی بھول گئی' جن

کے حواسوں پر ایک مدہوشی سی چھانے لگی۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ وہ اس وقت کہاں کھڑے ہیں۔ اس کے نرم و نازک وجود کی نرماہٹ و گرماہٹ کو پوری شدت سے محسوس کرتے ہوئے جیسے وہ بے خود ہونے لگے۔

"مجھ۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ کسمسائی' طلسم ٹوٹ گیا' سحر سمٹنے لگا' مدہوشیاں تشنہ لب رہ گئیں۔ سردار شاہ ویر نے بے ساختہ لمبا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

"ویسے جتنی مضبوط پناہ گاہ میں ہو' تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔"

جذبوں نے ان کی آواز کو کافی حد تک بوجھل کردیا۔ مائدہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا پھر سیاہ آنکھوں میں انجانا سا تاثر بلکورے لیتا دیکھ کر وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں ان سے دور ہوئی تھی۔ کچھ تو تھا ان کی آنکھوں میں کہ وہ بے ساختہ اپنی چادر درست کرنے لگی۔ وہ اس کی احتیاط پر مسکرا دیے۔ انہیں پھر شرارت سوجھی۔

"مائدہ! تمہارے پیچھے سانپ ہے۔" ان کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ چیخ مار کر وہ دوبارہ ان سے لپٹ گئی۔ ان کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔ ان کی شرارت بھانپتے وہ خفگی سے انہیں گھورنے لگی۔

صد شکر کہ ایک وقتی پڑاؤ قریب نظر آیا تو اس نے فوراً اپنے خدا کا شکر ادا کیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہوش اڑ گئے جب قیام کے لیے انہیں ایک کمرہ ہی مل پایا۔ آنے والا وقت اسے ڈرائے دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے اللہ میں کیا کروں! مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ کہیں میں واقعی مر گئی تو! نہیں نہیں مجھے ابھی نہیں مرنا۔" اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔ اس نے اپنی چادر اپنے ارد گرد اچھی طرح لپیٹی۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں سردی کی شدت سے اکڑ کر رہ گئی تھیں۔

"اب کیا کرو۔ انہیں اٹھا دوں۔ نہیں نہیں یہ ٹھیک نہیں" خود سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے کرسی سے بیک سے کمر ٹکا دی۔

"مائدہ!" وہ غنودگی میں جارہی تھی جب ان کی پکار اچھلتے اچھلتے بچی' بے ساختہ ان کی طرف دیکھا' جو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بیڈ پر آجاؤ ورنہ اتنی سردی میں اکڑ جاؤ گی۔" وہ بولے۔

"تو اکڑ جاؤں آپ کو کیا۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"پلیز مائدہ ضد نہیں کرتے۔ سردی واقعی بہت زیادہ ہے۔" انہوں نے پھر سے سمجھانا چاہا۔

"آپ کو کیا۔ آپ کو کون سی میری پروا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ نجانے کیوں وہ اتنی حساس ہو رہی تھی۔

"پروا ہے اسی لیے تو اتنی دیر سے تمہارا بستر پر آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ نیند کے خمار سے سرخ ڈورے لیے آنکھوں میں سچائی صاف درج تھی' اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

"مائدہ ہم میں ایسا رشتہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔"

"میں نہیں مانتی اس رشتے کو۔" وہ سرے سے ہی انکاری ہوئی۔

"مگر میں تو مانتا ہوں نا اور تمہیں اتنی سردی میں بیٹھنے نہیں دوں گا۔ چلو آؤ۔"

وہ بستر سے اتر کر اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔ مائدہ نے بوکھلاتے ہوئے کرسی چھوڑی۔

مائدہ ان کی سنجیدہ صورت دیکھتے ہوئے ہکلا کر رہ گئی۔

"کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔" برہمی سے کہتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی بیڈ پر لے آئے۔

"مجھ۔ مجھے نہیں سونا آپ کے ساتھ۔" وہ ہاتھ چھڑانے لگی۔

انہوں نے اسے زبردستی لٹانے کے بعد اس

www.pkdigest.com

پر رضائی اوڑھی اور خود جاکر اسی کرسی پر بیٹھ گئے جس پر تھوڑی دیر پہلے وہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"آپ یہاں ساری رات گزاریں گے؟" وہ حیرت و بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔

"ظاہر ہے۔ ایسی کنڈیشن میں تو میں یہ ہی کر سکتا ہوں' جبکہ تمہیں مجھ پر بھروسہ بھی نہیں۔"

وہ کندھے اچکاتے ہوئے آنکھیں موند گئے' جبکہ وہ حیران سی کتنی دیر ان کی طرف دیکھتی رہی' وہ جاذب نظر تھے اور مائدہ کو اس کا اندازہ اچھی طرح ہو رہا تھا ان کے تیکھے بے انتہا پُرکشش نقوش دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر یہ شخص باطنی طور پر بھی اتنا ہی خوبصورت ہوتا جتنا ظاہری طور پر ہے تو کیا وہ اس سے محبت کر لیتی۔ اس نے خود سے پوچھا اور اندر سے جو جواب آیا وہ چونک کر رہ گئی۔ سردار شاہ ویر اس کی آنکھوں کا ارتکاز اچھی طرح محسوس کر رہے تھے مگر انہوں نے پھر بھی آنکھیں نہ کھولیں۔ نجانے کس پہر اس کی آنکھ لگی جو صبح سردار شاہ ویر کے جھنجھوڑنے پر کھلی۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ بشیر نے ان کی کافی مدد کی تھی۔

☆ ☆ ☆

حویلی میں اس کا استقبال کافی شاندار طریقے سے ہوا تھا۔ وہ ہکا بکا سب دیکھتی رہی بی جان نے (سردار شاہ ویر کی ماں) اس کا ہاتھ لگوا کر بکرا صدقہ کیا پھر مختلف قسم کے لذیذ کھانوں پر اس کا ہاتھ لگوانے کے بعد غریبوں میں تقسیم کیا۔ چار عدد کبوتروں کو اس کے اور سردار شاہ ویر کے سر سے وار کر کھلی فضا میں چھوڑا۔ وہ ششدر سی حق دق سب دیکھتی رہی۔ ہر کوئی اسے سردار شاہ ویر کے حوالے سے دیکھ اور مل رہا تھا۔ اسے صحیح معنوں میں اب پتہ چلا کہ عزت دینا کسے کہتے ہیں۔ وہ حیران حیران سی سب کی محبت دیکھتی رہی۔

"یہ لو۔ پتر جی!" بابا سائیں نے کچھ کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ۔ یہ کیا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے ان کاغذات کو دیکھنے لگی اور پھر وہاں موجود افراد کو جو مسلسل مسکرائے جا رہے تھے۔

"تمہارے پتر نے پہلی بار اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ یہ تو پتر جی! آپ کا حق ہے۔"

"مگر یہ ہے کیا بابا سائیں؟" سردار شاہ ویر کے چہرے پر بھی تجسس ابھرا۔

"یہ فارم ہاؤس کی زمین ہے' جو میں نے مائدہ پتر کے نام کر دی ہے۔" انہوں نے بی جان کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا تو سردار شاہ ویر چند لمحوں کے لیے حیران رہ گئے' وہ جانتے تھے کہ وہ زمین لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی ہے۔

"مگر اس کی کیا ضرورت تھی بابا سائیں!"

"تو چپ رہ سردارا!" وہ انہیں پیار سے سردار ہی کہتے تھے۔ "یہ ہم اپنی دھی کو دے رہے ہیں۔"

اس نے بے ساختہ سردار شاہ ویر کی طرف دیکھا اور پھر ان کے اشارے پر کاغذات تھام لیے۔ وہ سردار شاہ ویر کی قدر و اہمیت کو اچھی طرح جان گئی اور پھر اس پر ان کی شخصیت کے بہت سے بھید کھلتے چلے گئے ثانیہ اسے کمرے میں چھوڑ گئی' وہ کافی تھک چکی تھی۔ بیڈ پر ٹکتے ہوئے اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی اور پھر آج کے تمام واقعات کسی فلم کی طرح اس کے دماغ میں گھومنے لگے۔ بہت سے رشتوں سے وہ آج ملی تھی جنہوں نے اسے کسی نازک آبگینے کی طرح چھوا تھا۔ بابا سائیں' بی جان چھوٹی نند ثانیہ' جس کی شوخیاں اسے دیکھتے ہی عروج پر جا پہنچی۔ "بھرجائی بھرجائی" کہتے وہ صبح سے اس کے ارد گرد ہی منڈلا رہی تھی۔ چھوٹا دیور عمر جو دیکھنے میں ہو بہو سردار شاہ ویر کی کاپی تھا۔ اس نے بھی بالکل ثانیہ کی طرح ہی اسے خوش آمدید کہا تھا۔

وہ تو سمجھی تھی کہ وہ سب سردار شاہ ویر سے ناراض ہوں گے مگر وہ ان کا وسیع ظرف دیکھتے ہوئے حیران رہ گئی۔ نہ کوئی گلہ شکوہ نہ کسی قسم کی کوئی غمگین سچویشن نجانے وہ کس قسم کے لوگ تھے کہ بڑے بیٹے کے تنہا

شادی کر لینے کے باوجود بھی بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بہت تھک چکی تھی۔ سو آنکھیں موند گئی' اسی وقت کھٹکے کی آواز پر اسے دوبارہ آنکھیں کھولنی پڑیں۔ سردار شاہ ویر اپنے کندھوں سے گرم چادر اتار کر صوفے پر رکھ رہے تھے اس نے کمرے میں ان کی موجودگی کو کافی حیرت سے دیکھا۔

"آپ یہاں..."

"ہاں میں۔"

کلائی سے گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولے۔

"یہاں کیوں آئے ہیں۔" بڑا بے تکا سوال تھا انہوں نے ایک نظر اس کی نیند کے خمار سے سرخ آنکھوں پر ڈالی اور پھر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولے۔

"یہ میرا کمرہ ہے' اگر میں سونے اپنے کمرے میں نہیں آؤں گا تو پھر کہاں جاؤں گا۔ اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ ہم دونوں علیحدہ علیحدہ کمروں میں سوئیں گے تو اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو۔ وہاں اور بات تھی تم جیسا چاہتی رہیں میں کرتا رہا۔ کیونکہ ہم تنہا تھے جبکہ یہاں میری پوری فیملی ہے۔ میری ایک حیثیت ہے اور میری حیثیت پر انگلی اٹھے میں یہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ بے لچک انداز میں بولے۔

وہ چپ کی چپ رہ گئی' اس کے سراسیمہ چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نائٹ ڈریس چینج کرتے ہوئے دوبارہ کمرے میں آئے وہ بوکھلاتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے بغور اس کے گھبرائے ہوئے انداز کو دیکھا اور باڈی اسپرے کرنے لگے۔ پھر اس کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

"میں یہاں نہیں سونا چاہتی۔" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر کہاں سونا چاہتی ہو؟" سینے پر بازو باندھتے ہوئے تحمل سے بولے اس کے چہرے کی ایک ایک جنبش ان کی نظروں میں رہی۔

"کہیں بھی مگر یہاں نہیں۔"

"یہاں کیا ہے؟" ان کے پوچھنے پر وہ ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"مائدہ امیری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں' اس لیے میں کسی قسم کی بھی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ پلیز تم بھی سو جاؤ۔ اور ہاں" وہ پلٹے۔ "کچھ بھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں ہو گا۔ یہ سردار شاہ ویر۔ کا تم سے وعدہ ہے۔"

بہت مضبوطی سے کہتے ہوئے وہ بیڈ پر جا لیٹے کتنی دیر وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا وہاں کھڑی ان کی کمر کو گھورتی رہی۔

"مائدہ اسونے سے پہلے لائٹ بند کر دینا۔" سارا بیڈ خالی تھا وہ ایک کونے میں کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے' اسے ان پر اعتبار نہیں آ رہا تھا مگر اتنی سردی میں صوفے پر بیٹھنے کا بھی رسک نہیں لے سکتی تھی۔ سو لائٹ بند کرتے ہوئے وہ خاموشی سے دوسرے کونے پر ٹک گئی۔ سردار شاہ ویر نے بے ساختہ پُرسکون سانس لیا اور پھر سونے کی کوشش کرنے لگے۔

انہیں اپنی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی لیکن لاپرواہی برتتے وہ آنکھیں موند گئے' اسی بیڈ کے دوسرے کونے پر کچھ فاصلے پر ان کی زندگی دھڑک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ فریش ہونے کے بعد جیسے ہی واش روم سے نکلی۔ اپنے کمرے میں بی جان کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔

"مائدہ پتر شاہ ویر کی طبیعت اتنی خراب رہی اور تم نے ہمیں بتایا نہیں۔" وہ حیران سی کھڑی تھی' جب بی جان نے پوچھا اس نے بے ساختہ سردار شاہ ویر کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے اسے ان کا چہرہ کافی غیر معمولی لگا۔

اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔ اب وہ انہیں

www.pkdigest.com

کیا بتاتی کہ ایک بیڈ پر سونے کے باوجود ان کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ وہ جان ہی نہ پائی کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔ گردن جھکاتے ہی جیسے اس نے اپنی شرمندگی چھپانے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے بی جان! آپ تو ایسے ہی گھبرا جاتی ہیں۔" آخر انہیں ہی بولنا پڑا۔

"کیوں کچھ نہیں ہوا۔ اتنا تیز بخار ہے اور کہہ رہا ہے کہ کچھ نہیں ہوا مگر تمہیں بخار آخر ہو کیسے گیا۔" وہ فکر مندی سے بولیں۔

"ایکچوئلی بی جان! وہ کل رات سردی میں بیٹھ کر گزارنی پڑی شاید اس لیے۔" وہ اپنی جگہ سمٹ کر رہ گئی اسے ان سے اتنی صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی سردی میں بیٹھنے کی۔"

بی جان نے پریشانی سے سرزنش کی۔ ان کی نظریں اس کے گھبرائے چہرے پر ٹک گئیں۔ ان کی آنکھوں کا مفہوم سمجھتے وہ اچھی خاصی بوکھلا کر رہ گئی کچھ بعید نہ تھا کہ وہ مزید کیا کہہ دیتے۔ اس کے چہرے تاثرات کو انجوائے کرتے جیسے وہ محظوظ ہوئے۔

"بس بی جان مجبوری تھی۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

ایسی بھی کیا مجبوری کہ لے کر سردی لگوالی۔" وہ برہم ہوئیں پھر ان کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئیں۔ "تم اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتے۔ اب میں مائدہ دھی کی ڈیوٹی لگاتی ہوں یہ تمہارا اچھی طرح خیال رکھے گی۔ ادھر آدھیے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"آپ کو پورا یقین ہے کہ یہ میرا خیال اچھی طرح رکھے گی۔" وہ رسانیت سے بولے جبکہ آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔

"ارے کیوں نہیں رکھے گی۔ رکھے گی نا دھیے؟" ساتھ ہی انہوں نے اس سے پوچھ لیا۔ وہ بری پھنسی۔

پھر مرتی کیا نہ کرتی کہ مصداق آہستہ سے سر اثبات میں ہلا گئی۔

"دیکھا جائے گا۔" وہ مبہم انداز میں بولے تو وہ انہیں فقط گھور کر رہ گئی۔ بی جان کے سامنے کہتی بھی تو کیا۔

اکیلے ہوتے تو خوب کھری کھری سنتے۔

"ڈاکٹر صاحب آگئے ہیں۔" اسی وقت عمر نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی اور ساتھ ہی انہیں باہر جانے کو کہا وہ بی جان کے ساتھ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

بی جان کے کہنے پر مجبوراً ہاتھ میں دلیہ کا پیالہ لے کر وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

"یہ دلیہ کھالیں بی جان نے بھیجا ہے۔" اس نے باؤل اس کے قریب رکھا۔

"جانتا ہوں بی جان نے ہی بھیجا ہوگا مگر میں یہ دلیہ تب ہی کھاؤں گا جب تم اپنے ہاتھ سے کھلاؤ گی۔"

"واٹ۔" وہ اچھلی۔ "آپ کا دماغ تو درست ہے میں کیوں آپ کو اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اسے واپس لے جاؤ۔" وہ روٹھے پن سے بولے۔ وہ بے بس ہونے لگی اگر دلیہ واپس لے جاتی تو پھر بی جان کو کیا جواب دیتی۔ اسے ان پر شدید تاؤ آنے لگا وہ غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت میں انہیں دیکھتی رہی۔

"سوچ لو بی جان اگر پوچھیں گی تو کیا جواب دو گی۔" انہوں نے اسے ڈرانا چاہا۔ وہ انہیں گھورتے ہوئے دلیہ کھلانے لگی۔

"اس سے پہلے مجھے دلیہ کبھی اتنا مزے دار نہیں لگا۔" وہ شرارت سے بولے اس کا دل چاہا پورا پیالہ ان کے سر پر انڈیل دے جو اسے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اور اس کی بے بسی کا خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

☆ ☆ ☆

بابا سائیں کے کمرے سے اونچا اونچا بولنے کی آواز نے اسے چند پل کے لیے حیران کر دیا۔ اس نے حویلی میں کبھی کسی کی اونچی آواز نہیں سنی تھی۔ اک تجسس کے زیر اثر وہ اس طرف بڑھ گئی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا ابا سائیں! محبت کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔" سردار شاہ ویر سے چھوٹا عمر زیاد کی آواز نے اس کے قدموں کو جیسے جکڑ لیا۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ محبت کرنا جرم ہے مگر تمہیں یہ تو سوچنا چاہیے کہ وہ لوگ کسی صورت ہمارے قابل نہیں ہیں ان کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قدر نہیں ہے انسانوں اور جانوروں میں انہیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ شہوز خان ہمیں اپنی بہن کا رشتہ دے دے گا۔ اسے دشمنیاں پالنے کا شوق ہے۔ تم ابھی نا سمجھ ہو۔ ان باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے ان سے دشمنی ہماری آئندہ نسلوں تک جا سکتی ہے اور میں اپنی نسل کو ورثے میں خون خرابہ نہیں سونپنا چاہتا۔"

سردار شاہ ویر نے تحمل سے اسے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہا۔

"کچھ بھی ہو ابا سائیں! میں صرف نور بانو سے ہی شادی کروں گا اور میں نے آپ کو اس لیے تو شہر سے نہیں بلوایا تھا کہ آپ میرا ساتھ دینے کے بجائے بابا سائیں کا ساتھ دیں۔"

عمر زیاد اپنی بات پر اڑا رہا۔ سردار شاہ ویر نے بابا سائیں کی طرف دیکھا جو تھوڑی پر ہاتھ جمائے گہری سوچ میں گم تھے۔ شاہ ویر چھوٹے بھائی کی حالت کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے وہ خود بھی اس کیفیت سے گزر چکے تھے مگر یہاں وہ مجبور تھے ورنہ کچھ بھی کر کے اپنے چھوٹے بھائی کی خوشیاں لا کر اس کی جھولی میں ڈال دیتے۔

وہ ان کی گفتگو کافی حد تک سمجھ چکی تھی۔ "اوں ہوں! اپنے لیے ہر حد پار کر لی اور اپنے بھائی کے لیے بے وجہ کی بحث... اسے سردار شاہ ویر دو غلے لگے۔

"ہم کم زور تھے نا تو ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اب مقابلہ برابر کا ہے تو کیسے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔" اس نے تنفر سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

اسے یہاں آئے ایک مہینہ ہو گیا تھا اسے ایسے لگتا جیسے وہ کسی خوبصورت قلعے میں بند ہو کر رہ گئی ہو، گھٹن کا احساس اتنا بڑا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر حویلی سے باہر نکل آئی تھوڑی دور آنے کے بعد وسیع و عریض حدوں پر پھیلے سبزے کو دیکھتے ہوئے وہ لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"نجانے اس قید سے میں کب آزاد ہوں گی؟" اس نے اذیت سے سوچا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ وہ کسی صورت اس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو رہی تھی۔ کتنی دفعہ اس نے سردار شاہ ویر سے شہر لوٹنے کو کہا مگر وہ ہر بار ٹال جاتے۔ وہ اکتانے لگی۔ بے زار ہونے لگی کسی کو اس کے احساسات کا خیال نہ تھا۔

سردار شاہ ویر سے اس سامنا نہ ہونے کے برابر ہو کر رہ گیا۔ نجانے وہ کن مسئلوں میں الجھے ہوئے تھے۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

لیکن یہ بھی سچ تھا کہ جو وہ چاہتی تھی وہ کبھی نہیں ہوتا تھا سردار شاہ ویر نے ہر دفعہ اپنی من مانی کی تھی۔ وہ نکاح نہیں چاہتی تھی مگر بے بس ہو گئی وہ رخصتی نہیں چاہتی تھی مگر یہاں بھی انہوں نے اسے بے بس کر چھوڑا، وہ گاؤں نہیں آنا چاہتی تھی مگر اسے مجبوراً آنا پڑا۔ سردار شاہ ویر اس پر ہر وقت اپنی مرضی ہی چلاتے آرہے تھے۔

وہ یکسانیت سے تھکنے لگی مگر انہیں اس کی کیا پروا۔ وہ انہیں ظالم و جابر سمجھتی تھی مگر یہاں آکر اس نے ان کا الگ ہی روپ دیکھا تھا، بے انتہا محبت نچھاور کرنے والے نرم دل انسان کی حیثیت سے وہ اس کے سامنے آئے۔ ایک ایسا انسان جسے اپنے رشتوں سے بہت محبت ہو۔ جتنی زور زبردستی تھی وہ صرف اس کی ذات تک ہی محدود تھی۔ باقی سب کے لیے تو وہ سراپا محبت تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اپنی سوچوں میں گم وہ چلتے چلتے نجانے کتنی دور نکل آئی تھی، جب سردار شاہ ویر کی گرج دار آواز پر سہم کر رہ گئی، بے ساختہ چونک کر ان کے غصیلے چہرے کی طرف دیکھا۔

www.pkdigest.com

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے مائدہ! تم یہاں کیسے پہنچی اور کس کے ساتھ آئی ہو؟"

انہوں نے اردگرد نظر دوڑائی۔ "آخر تمہیں عقل کب آئے گی۔ ہمارے عورتیں یوں منہ اٹھا کر باہر نہیں نکل پڑتیں۔ اگر تمہیں باہر آنا ہی تھا تو مجھ سے یا بی جان سے کہا ہوتا مگر یوں تنہا گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔"

وہ ترشی سے بولے اس کی کم عقلی پر انہیں شدید غصہ آرہا تھا۔

"حویلی میں میرا دل گھبرا رہا تھا' ایسے لگ رہا تھا جیسے میں قید ہو کر رہ گئی ہوں' اسی لیے کچھ دیر کے لیے باہر آگئی۔"

وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ تاسف سے اس کے جھکے سر کو دیکھنے لگے۔

"دل لگانے کی کوشش کرو گی تو تمہیں حویلی قید نہیں بلکہ گھر لگے گی۔"

"میں یہاں نہیں رہنا چاہتی پلیز واپس چلیں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

اس وقت وہ انہیں کافی الجھی ہوئی دکھائی دی' اس کی کیفیت کو سمجھتے وہ اپنا غصہ کنٹرول کرنے لگے۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے پھر ہم واپس چلتے ہیں۔ چلو اب اور خبردار آئندہ یوں باہر مت نکلنا۔" وہ سنجیدگی سے بولے وہ چپ ہی رہی۔

"ہلنے کی کوشش مت کرنا سردار سائیں! ورنہ ہم گولی چلا دیں گے۔" اسی وقت سات آٹھ نقاب پوشوں نے ان کے اردگرد حصار کھینچا۔

"خبردار! اپنی جیب میں ہاتھ مت ڈالنا' ورنہ مجھے گولی چلانے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

ان کا اپنی جیب کی طرف جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"رشید اس کی جیب سے ریوالور نکال لو۔" مائدہ سب کے ہاتھوں میں گن دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگی۔ سردار شاہ ویر۔۔۔ خود بھی کافی پریشان ہو گئے۔ اپنی وجہ سے نہیں بلکہ مائدہ کی وجہ سے۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" مائدہ کا ہاتھ تھام کر اسے قریب کرتے وہ بے انتہا سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"سب بتاتے ہیں سردار سائیں پہلے ہمارے مہمان خانے کو چلیے۔" ان کے ہاتھوں میں اسلحہ دیکھ کر وہ بے بس ہو گئے۔

✡ ✡ ✡

"یہ' یہ سب کیا ہو گیا؟" وہ ایک کوٹھری میں بند تھے جب مائدہ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"تمہیں کس نے کہا تھا حویلی سے باہر آنے کو۔ اس وقت مجھے اپنی کوئی پروا نہیں ہے پروا ہے تو صرف تمہاری۔ کتنی بڑی بے وقوفی کر لی تم نے مائدہ! شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولے۔ ابھی تک وہ معاملہ سمجھنے میں ہی لگے ہوئے تھے۔ مائدہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس کے ہراساں چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئے۔

"پلیز ڈرو مت' میں ہوں نا تمہارے ساتھ اور میرے ہوتے ہوئے تم پر آنچ بھی نہیں آسکتی۔" اس کے خوف زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے اپنی ذات کا مان دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اسی وقت کھٹکے کی آواز پر دونوں بری طرح چونکے۔

"کچھ بھی ہو جائے مائدہ! مگر تمہارے چہرے پر نقاب رہنا چاہیے۔ اپنا چہرہ ڈھانپ لو۔" اس نے چادر میں چھپا لیا۔

"شہروز خان تم؟" سردار شاہ ویر کھڑے ہوتے حیرت سے بولے۔ مائدہ کا نازک سراپا ان کے توانا وجود کے پیچھے مکمل چھپ گیا۔

"ہاں میں سردار سائیں!" مکاری سے ہنستے ہوئے وہ ان کے روبرو آکھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے ہتھیاروں سے لیس کچھ چہرے اور نمایاں ہوتے گئے۔

"کس لیے مجھے یہاں لایا گیا ہے؟" وہ غصے اور سنجیدگی سے بولے۔

"آپ کو نہیں سردار سائیں! بلکہ آپ کی شہری

بیوی کو۔" خباثت سے مسکراتے ہوئے اس نے تصحیح کی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" سردار شاہ ویر بولے نہیں بلکہ گرجے تھے۔ مائدہ تھر تھر کانپنے لگی۔

پھر ان کے چہرے پر غصیلی نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اپنی عورتوں کے بارے میں تمہیں بات کرنا بکواس لگ رہا ہے مگر دوسروں کی عورتوں پر بری نظر رکھنے کو تم کیا کہو گے۔"

"وہ معاملہ اور ہے اور اس وقت جو تم کرنے کی کوشش کر رہے ہو' وہ غلط ہے۔"

"کیوں معاملہ اور ہے سردار سائیں! اور جو تمہارا چھوٹا بھائی کر رہا ہے' وہ صحیح ہے۔"

وہ دوبدو بولا۔ "تم مجھے یہ نہ سکھاؤ کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔ تم لوگوں نے ہمارے گھر کی عزت پر بری نظر ڈالی اور ہم تمہارے گھر کی عزت کو ہی اٹھا کر لے آئے۔"

وہ فاتحانہ انداز میں بولا۔

"اپنی زبان کو لگام دو شہروز خان! میں کسی حال میں بھی دشمنی نہیں چاہتا مگر تم دشمنی میں پہل کر رہے ہو۔" ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو چکی تھیں۔

"ہم دشمنی میں پہل کر نہیں رہے بلکہ کر چکے ہیں' آج میں تمہاری بیوی کا تمہارے سامنے وہ حال۔۔۔"

"شہروز خان!" وہ لپکے اور اس کا گریبان تھام کر زور سے کھینچا۔

شہروز خان کو لگا جیسے اس کی سانس تنگ پڑ چکی ہو' پھرتی سے اس کے آدمی ان کی طرف بڑھے اور اسے چھڑانے کی کوشش کی مگر ان کی گرفت بے انتہا مضبوط تھی' ان کے حواس پر خون سوار تھا شہروز خان کی آنکھیں ابل کر باہر آگئیں۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے مائدہ کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اگر وہ بروقت دیوار کا سہارا نہ لیتی تو یقیناً زمین بوس ہو چکی ہوتی وہ سب کے سب انہیں اپنی طرف کھینچ رہے تھے مگر وہ تو جیسے ایک جنون کی زد میں تھے۔

آخر ایک جھٹکے سے شہروز خان کا کالر جڑ سے اکھڑا اور اس کی جان چھوٹی' اس کے بندے بھی انہیں قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شہروز خان اپنی اکھڑی سانس بحال کرتا کافی دیر کھانستا رہا۔

"اس۔۔۔ کے۔۔۔ دونوں ہاتھ رسیوں سے باندھ دو۔" کافی دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا۔ "بہت دم ہے نا تم میں' ابھی دیکھ لیتا ہوں تمہارا دم۔" سردار شاہ ویر کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے' ان کا بس چلتا تو وہ اسے ابھی گولی سے اڑا دیتے' مائدہ کونے میں بیٹھی حواس کھونے کے قریب تر ہو چکی تھی۔

"بہت پیاری ہے نا تمہیں اپنی بیوی کی عزت۔" اس نے مائدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' جس کا رنگ زرد ہو چکا تھا' سردار شاہ ویر رسیوں سے بازو چھڑوانے کی کوشش کرنے لگے۔

"شہروز خان! میری بیوی کے وجود پر بری نظر ڈالی تو انجام تمہاری آئندہ سات نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔" وہ دہاڑے۔

"اچھا!" اس نے قہقہہ لگایا۔

"تو تم بھی کیا یاد کرو گے' کچھ نہیں کہتے تمہاری بیوی کو مگر اس کے لیے پھر تمہیں بھی تو کچھ کرنا پڑے گا۔" یک لخت وہ ان کی طرف مڑا۔ انہوں نے تجسم سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم اپنی بیوی کی عزت چاہتے ہو تو تمہیں دس کوڑے کھانے پڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ کھلے ہوں گے مگر تم پھر بھی کوئی مزاحمت نہیں کرو گے۔ بولو منظور ہے۔" اس نے یکدم پینترا بدلا۔

"ہاں منظور ہے مجھے۔" وہ مضبوطی سے بولے جبکہ مائدہ کے ہونٹ فقط پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"کھول دو اس کے ہاتھ' میں بھی تو دیکھوں کتنا دم ہے آخر اس میں۔" وہ تمسخرانہ بولا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین وہ بڑی بے دردی سے ان کے کمر پر کوڑے برسا رہا تھا اور وہ کھلے ہاتھ ہونے کے باوجود بھی کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ کر رہے تھے۔ وہ وحشی بن چکا تھا اس طرح کر کے اسے سکون مل رہا تھا۔

www.pkdigest.com

ان کی قمیص جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی۔ مائدہ کی برداشت جواب دینے لگی۔ لگتا کوڑا اس کے جسم کو چیرتے ہوئے گزر رہا ہے وہ ادھ کھلے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بمشکل اٹھی۔

"رک جاؤ وہیں پر مائدہ!" وہ جیسے ہی ان کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ گرج دار آواز میں بولے۔ وہ وہیں سہم گئی۔

ان کے کپڑے خون آلود ہونے لگے۔ مائدہ کے حواس ساتھ چھوڑ گئے وہ لہرا کر وہیں گر گئی۔

اسے جب ہوش آیا تو اس کا سر سردار شاہ ویر کی گود میں دھرا تھا۔

اس نے متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ سردار شاہ ویر ٹہلتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ سرعت سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے وحشت بھرے چہرے کو دیکھتے وہ دھیما سا مسکرائے اس کی نظر ان کے کندھے پر جا ٹھہری جہاں سے قمیص پھٹی ہوئی تھی اور زخم کا نشان واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کچھ نہیں ہوگا تمہیں مائدہ! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے وہ بولے۔

"مجھ۔ مجھے معاف کر دیں شاہ ویر! یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ مگر میرا یقین کیجیے اگر مجھے پتہ ہوتا کہ کچھ ایسا بھی ہو سکتا ہے تو میں کبھی حویلی سے باہر نہ نکلتی۔" اسے اپنی لاپروائی پر بے انتہا غصہ آیا۔ سردار شاہ ویر نے اس کے سسکتے وجود کو خود میں سمو لیا۔ باقی سارا وقت وہ کسی ہراساں ہرنی کی طرح ان کے وجود میں چھپی رہی۔

رات بارہ بجے کے قریب کھٹکے کی آواز پر دونوں چونکنے ہو گئے۔ اندر داخل ہونے والا ایک بوڑھا انسان تھا اور پھر جو کچھ اس نے کہا انہیں اس پر یقین نہ آیا۔

"میں نے کہا نا کہ باہر کوئی نہیں ہے آپ جائیں۔" وہ ایک دفعہ پھر سے بولا۔

"مگر تم کون ہو اور ہماری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" انہیں یہ شہوز خان کی کوئی چال ہی لگی۔

"میں عمر سائیں کا خاص بندہ ہوں۔ ان کے کہنے پر خفیہ طور پر شہوز خان کے ہر عمل پر نظر رکھ رہا ہوں۔ آپ وقت ضائع مت کیجیے سردار سائیں! اور جتنی جلدی ہو یہاں سے نکل جائیے میں بھی چلتا ہوں اگر انہیں مجھ پر شک ہو گیا تو وہ مجھے کسی صورت زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ سب شراب کے نشے میں دھت پڑے ہیں آپ آسانی سے نکل سکتے ہیں۔"

سردار شاہ ویر نے صرف ایک لمحہ سوچا اور پھر مائدہ کا ہاتھ تھام کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی اتنی جرأت کہ اس نے ادا سائیں پر حملہ کیا۔"

وہ گھر آ چکے تھے ان کی حالت دیکھتے عمر پاگل ہی ہو گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شہوز خان کو جان سے مار دیتا۔

"عقل سے کام لو عمر!" بابا سائیں نے اسے باہر لپکتے دیکھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"اس نے ادا سائیں اور بھرجائی کے ساتھ یہ سب کیا اور آپ مجھے عقل کی پٹی پڑھا رہے ہیں۔ وہ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے اور میں اسے زندہ چھوڑوں گا بھی نہیں۔ بہت شوق ہے نا اسے دشمنیاں پالنے کا اب میں بتاؤں گا کہ اصل دشمنی کتے کس کو ہیں۔"

وہ تو بپھرا ہوا شیر ہی لگ رہا تھا۔ کسی صورت قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"عمر! دشمنی تو انہوں نے ہم سے کر ہی لی ہے اور میں کب اسے چھوڑنا چاہتا ہوں مگر پتر! ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرو۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے پہلے اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرو اور پھر سوچنا کہ ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔ شاہ ویر کی حالت تو میری بھی برداشت سے باہر ہے۔"

بابا سائیں نے اسے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی ورنہ بڑے بیٹے کی حالت پر ان کے اندر بھی اشتعال کے بھانبڑ جل رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

عمر نے نور بانو سے کورٹ میرج کر لی اور پھر اسے حویلی لے آیا۔ حویلی کے تمام لوگ اس کی اس حرکت پر پریشان ہو گئے وہ اس طرح ہرگز نہیں چاہتے تھے۔

"اب آگے کیا ہوگا؟" سب کی سوچ اسی نقطے پر رک چکی تھی۔ چونکہ نور بانو اسے دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہتی تھی اس لیے بھائی کی دشمنی پر اس کی محبت کو ترجیح دے بیٹھی۔

شہوز خان تو پاگل ہی ہو گیا۔ وہ پاگل کتے کی طرح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حویلی کی طرف روانہ ہوا تھا۔ بابا سائیں کو جیسے ہی ان کی کارروائی کا علم ہوا انہوں نے اپنے دوست ڈی ایس پی حشام سے پولیس کی مدد مانگی۔ ان کی حویلی سے باہر پولیس اسلحہ سے لیس آ کھڑی ہوئی۔ شہوز خان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا اس لیے پولیس کو اپنے معاملے سے دور رہنے کو کہا۔

ڈی ایس پی حشام نے اس کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے اسے خبردار رہنے کو کہا اور یہ بھی کہ اگر وہ آگے بڑھے تو وہ گولی چلانے پر مجبور ہو جائیں گے شہوز خان کے سر پر تو خون سوار تھا۔ وہ ہر صورت عمر کے تمام خاندان کو ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے انجام سے کانپ کر رہ جائیں۔ اس نے ڈی ایس پی حشام کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔

ڈی ایس پی حشام اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ ایکدم ہوا میں فائر ہوا اور گولی ڈی ایس پی حشام کے کندھے کو چھو کر گزر گئی۔

☆ ☆ ☆

"نور بانو کیسی ہے اب؟" بی جان نے نور بانو کے کمرے سے نکلتی ثانیہ سے پوچھا۔

"دودھ کے ساتھ نیند کی گولی دے کر آ رہی ہوں۔" وہ فکرمندی سے کہتی ان کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئی۔

"صدمہ بھی تو بہت گہرا پہنچا ہے۔۔۔ اب آہستہ آہستہ ہی صبر آئے گا۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"اگر شہوز خان آرام سے مان جاتا تو کم سے کم اس کا یہ انجام نہ ہوتا۔" عمر اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

پولیس مقابلے میں وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے اس کا باپ دماغی توازن کھو بیٹھا تھا صحیح معنوں میں ان کا گھر اجڑ گیا۔

"برے کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ بے شک پتر! غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ اسی لیے تو ہمارے مذہب نے اس حرام قرار دیا ہے۔" بی جان تاسف سے بڑبڑائیں۔

سردار شاہ ویر بغیر ایک لفظ کہے اٹھے اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے بی جان نے مائدہ کو ان کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی وہ قمیص اتارے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

بساطِ دل
آمنہ ریاض
قیمت۔۔۔ -/500 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

ہاتھ میں مرہم پکڑے کھڑے تھے' وہ آہستہ آہستہ چلتی ان کے قریب آئی اور پھر ان کے ہاتھ سے مرہم پکڑلیا۔ انہوں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ بیٹھیے میں آپ کو لگا دیتی ہوں۔" وہ کچھ بھی بولے بغیر آہستہ سے بیڈ پر ٹک گئے ان کے زخم دیکھتے ہوئے وہ اندر تک لرز گئی۔ اسے یاد آیا جب کوڑا پڑتا تھا تو سردار شاہ ویر کے چہرے پر کتنے تکلیف بھرے تاثرات ابھرتے تھے مگر وہ کسی قسم کی مزاحمت کیے بغیر سب سہتے گئے صرف اس کی عزت کی خاطر۔

"جب انہوں نے آپ کو مارا تھا تو آپ کو بہت درد ہوا تھا نا!" ان کے زخموں کو ہاتھ سے چھوتے وہ دکھ سے بولی۔

"نہیں۔" ان کا جواب اس کی توقع کے برخلاف تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

آخر وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں مگر پھر ان کے اگلے جملے نے اسے ساکت کر ڈالا۔

"تمہاری عزت کی خاطر میں سو کوڑے کھانے کو بھی تیار ہو جاتا۔"

اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور پھر نجانے اسے کیا ہوا کہ وہ ان کے زخموں پر اپنے لب رکھتی گئی۔ سردار شاہ ویر اپنی جگہ حیرت سے بت بن گئے۔

"آئی لو یو شاہ ویر! رئیلی لو یو۔" وہ روتے ہوئے اقرار کر رہی ہے۔

سردار شاہ ویر جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئے۔ تڑپتے ہوئے انہوں نے رخ اس کی جانب موڑا اور پھر ہاتھوں کے پیالے میں اس کا پُرنم چہرہ بھرتے ہوئے بولے۔ "ایک بار پھر سے کہو مائدہ! اس ایک جملے کو سننے کے لیے میرے کان کب سے انتظار کر رہے تھے۔"

وہ بوجھل آواز میں بولے تو ان کی شدت کے آگے اس کے ہونٹ فقط پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"پلیز مائدہ! میں انتظار کر رہا ہوں۔"

ان کے لہجے میں عجیب سی تڑپ محسوس کرتے آخر اسے بولنا پڑا۔

"آئی لو یو شاہ ویر! آئی لو یو۔"

"او میری جان مائدہ!" انہوں نے اسے خود سے قریب کر لیا۔

"آج میں بہت خوش ہوں' بہت زیادہ' تم میری خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ گویا ہوئے۔

"تم کبھی نہیں سمجھ پاؤ گی کہ آج تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔ از خود رفتگی سے انہوں نے اس کے وجود کی نرماہٹ کو دل سے محسوس کیا۔ فرط محبت سے ان آواز کپکپا کر رہ گئی۔

"آپ میری عزت کے رکھوالے ہیں شاہ ویر! اور جو شوہر اپنی جان سے بھی زیادہ اپنی بیوی کی عزت کی حفاظت کرے' وہ نفرت کرنے کے نہیں بلکہ محبت کرنے کے قابل ہے اور میں بھی آپ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ شدید محبت۔" وہ چور اٹھاتے ہوئے نم آنکھوں سے مسکرائی۔

سردار شاہ ویر کو لگا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں سب کچھ پا لیا ہے۔ اس کے بالوں پر ہونٹ رکھتے ہوئے ان کی آنکھوں سے چند انمول موتی ٹوٹ کر اس کے بالوں میں کہیں جذب ہو گئے۔

"تم ساری عمر مجھے اپنی عزت کا رکھوالا ہی پاؤ گی۔"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے رات کی تاریکی چاروں اور چھا چکی تھی اور کھڑکی کے باہر چاند بھی ان کے ملن پر جھوم رہا تھا۔